ماہنامہ محدث بنارس

www.mohaddis.org

سرپرست

عبداللہ سعود بن عبدالوحید

مدیر

مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی

معاون مدیر

مولانا عبدالمتین مدنی

عدد مسلسل: ۳۹۱

جلد: ۳۴ ، شمارہ: ۷

شوال ۱۴۳۷ھ = جولائی ۲۰۱۶ء

بدل اشتراک

- ہندوستان: **150** روپے
- بیرون ممالک: **40** ڈالر
- فی شمارہ: **15** روپے

اشتراک کے لیے ڈرافٹ مندرجہ ذیل نام سے بنوائیں

Name: **DAR-UT-TALEEF WAT-TARJAMA**
Bank: **ALLAHABAD BANK**
KAMACHHA, VARANASI
A/cNo.2**1044906358**
IFSC Code: ALLA0210547
SWIFT Code: ALLAINBBVAR

مراسلت کا پتہ

Darut Taleef Wat Tarjama
B.18/1-G, Reori Talab,
Varanasi - 221010

اس شمارہ میں

۱-درس قرآن	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۲
۲-درس حدیث	مولانا عبدالمتین مدنی	۵
۳-افتتاحیہ	معاون مدیر	۷
۴-رمضان کے بعد عبادتوں.....	ڈاکٹر اسامہ بن عبداللہ خیاط	۱۰
۵-خانہ آبادی اور اسلامی احکامات	ڈاکٹر عبدالباری بن عوض الثبیتی	۱۴
۶-ام المؤمنین عائشہ صدیقہ.....	عبدالولی عبدالقوی	۱۹
۷-تصویبات واستدراکات.....	مولانا اسعد اعظمی	۲۳
۸-ذرائع ابلاغ میں تعمیری صحافت..	مولانا عبدالمبین ندوی	۲۷
۹-گفتگو کے آداب	عبدالرحیم محمد یونس بنارسی	۳۲
۱۰-دینی جلسوں کی بدلتی شکلیں	ابوطلحہ بن محمد ابراہیم سلفی	۳۷
۱۱-یادرفتگان	مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی	۴۲
۱۲-عالم اسلام	ظل الرحمٰن سلفی	۴۴
۱۳-اخبار جامعہ	ادارہ	۴۵
۱۴-باب الفتاوی	دارالافتاء	۴۷

نوٹ : ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

لا إلهَ إلا اللّٰه جنت کی کنجی ہے

عبداللہ سعود بن عبدالوحید

اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے جس کے راوی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں، کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے 'من مات وهو يعلم أن لا إله الا الله دخل الجنة' (صحیح مسلم) جس شخص کی موت اس حال میں ہو کہ وہ جانتا تھا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے وہ جنت میں جائے گا۔

آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے مکہ میں تبلیغ کی شروعات اسی سے کی ہے۔ اس کلمہ کے اقرار وشہادت سے انسان اسلام میں داخل ہوتا ہے اور دنیا سے جاتے وقت اس کلمہ کی تلقین کی وصیت ہے۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا ہے 'لقنوا موتاكم لا إله الا الله' (صحیح مسلم) کہ انسان جب مرنے لگے تو اس وقت اس کو کلمہ لا إلہ الا اللہ کی تلقین کرو یعنی اس کلمہ کو زبان سے پڑھو۔ خلاصہ یہ ہے کہ انسان کی پوری زندگی اللہ کی وحدانیت کے اقرار کے ساتھ اسی کے مطابق گزرنی چاہئے۔

جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کلمہ کے ذریعہ تبلیغ کی شروعات کی تو مکہ والے آپ کے دشمن ہو گئے اور کہا کہ جس دین پر ہم اور ہمارے باپ دادا چلے آرہے ہیں اس کو کیسے چھوڑیں۔

مکہ والوں کا عقیدہ کیا تھا؟

(۱) مشرک تھے، کیونکہ بزرگوں کے نام کی مورتیاں اور اسنان بنا رکھے تھے اور ان کی پرستش و پوجا کرتے، ان سے مدد مانگتے، ان کے نام پر اپنے بچوں کے نام رکھتے، ان کی نذر مانتے تھے۔ اس لئے نہیں کہ یہ ان کو اللہ یا معبود ہی تسلیم کرتے تھے بلکہ اللہ کے یہاں بطور سفارش اور وسیلہ کے لئے پوجتے و پکارتے تھے۔ یہی عقیدہ ابوجہل، ابولہب اور دوسرے مشرکین کا تھا۔

قرآن مجید کی گواہی ہے ﴿وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاء مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى﴾ (سورہ زمر:۳) جن لوگوں نے اس (اللہ) کے سوا اولیاء بنا رکھے ہیں (کہتے ہیں) کہ ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ اللہ تک ہماری رسائی کرادیں گے۔

اور فرمایا ﴿وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللّهِ مَا لاَ يَضُرُّهُمْ وَلاَ يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَـؤُلاء شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللّهِ﴾ (سورہ یونس:۱۸) یہ لوگ اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع۔ اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے یہاں ہمارے شفارسی ہیں۔

(۲) اللہ کی ذات کے سلسلہ میں ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ ایک ہے وہی سب کا خالق ہے وہی رازق ہے کائنات کا مدبر وہی ہے۔ جیسا کہ قرآن کی شہادت ہے ﴿قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ أَمَّن يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالأَبْصَارَ

وَمَن يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَن يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللّٰهُ﴾ (سورہ یونس:۳۱) (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان سے پوچھئے کہ وہ کون ہے جو تم کو آسمان وزمین سے رزق پہنچاتا ہے؟ اور وہ کون ہے جو کان وآنکھ پر پورا اختیار رکھتا ہے؟ اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے؟ اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے؟ ضرور وہ یہی جواب دیں گے کہ ''اللہ''۔

یہ کتنی بڑی اور واضح شہادت ہے کہ کفار مکہ اللہ کو مانتے تھے اور اس کا اقرار کرتے تھے، مگر ان کی گمراہی کی وجہ یہ تھی کہ وہ اللہ کے علاوہ دوسروں کو حاجت روائی کے لئے پکارتے اور ان سے مدد مانگتے کہ یہ اللہ کے بزرگ اور ولی ہیں ہماری مرادیں پوری کرانے میں اللہ تک واسطہ ہیں اللہ نے ان کو اختیارات دے رکھا ہے جیسا کہ پہلے کی دو آیات سے واضح ہے۔

آج کے بہت سے مسلمانوں نے جو عقیدہ اختیار کر رکھا ہے اور اولیاء کے نام سے مزارات پر جو کام کرتے ہیں ان پر غور کریں اور کفار مکہ کے عقیدہ سے موازنہ کریں، ''یا غوث المدد'' کون کہتا ہے، یا اپنے مکانوں ودکانوں پر لکھتا ہے؟ ''یا پیر دست گیر'' کہنے والے کون ہیں؟ فرقہ وارانہ فساد کے دوران میں نے خود سنا ہے کہ لوگ ''یا علی''، ''یا غوث'' کو پکارتے ہیں۔ کفار مکہ ومشرکین مکہ کا کیا عقیدہ تھا۔ قرآن پڑھیں ﴿وَإِذَا مَسَّكُمُ الْضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَن تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ فَلَمَّا نَجَّاكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ وَكَانَ الإِنْسَانُ كَفُوراً﴾ (سورہ اسراء:٦٧) اور جب سمندر میں تم پر مصیبت آتی ہے تو اس ایک اللہ کے سوا جن جن کو تم پکارا کرتے ہو، وہ سب گم ہو جاتے ہیں۔ مگر جب وہ (اللہ) تم کو بچا کر خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو تم منہ پھیر لیتے ہو اور انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔ یعنی مشرکین مکہ مصیبت کے وقت اللہ ہی کو یاد کیا کرتے تھے مگر جب مصیبتیں ٹل جاتیں تو اپنے باپ دادا کے عمل کے مطابق معبودان باطلہ کی پرستش میں لگ جاتے تھے۔

مشرکین مکہ کی اصلاح کے لئے اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا آخری رسول بنا کر بھیجا اور آپ نے لا إلہ الا اللہ سے تبلیغ شروع کی کہ ہر حال میں صرف اللہ ہی کو پکارو۔ چاہے خوشی ولالچ کا موقع ہو یا خوف وڈر کا، ہر حال میں صرف اللہ ہی کو یاد کرنا چاہئے۔ اس کے علاوہ کوئی ذات حاجت روا نہیں ہے، اللہ نے کسی کو اختیار نہیں دیا ہے۔ انبیاء کرام جو ہمارے لئے اسوہ ہیں ان کے بارے میں اللہ نے بتلایا ہے ﴿إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَباً وَرَهَباً وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ﴾ (سورہ انبیاء: ۹۰) یہ لوگ نیک کاموں کی طرف جلدی کرتے تھے اور ہمیں لالچ وطمع اور ڈر وخوف سے پکارا کرتے تھے اور ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے۔

لا إلہ الا اللہ پر جب تک مکمل ایمان نہ ہو اور ہمارا ہر کام صرف اللہ کے لئے نہ ہو ہم خالص اور سچے مومن نہیں ہو سکتے۔ اسی کی عبادت کریں، اسی سے مدد مانگیں، اسی کا خوف ہو اور اسی سے امیدیں وابستہ ہوں، اس کی کبریائی وعظمت پر پورا ایمان ہو، اور اس کے جملہ صفات پر جو اس کے اسماء حسنیٰ سے واضح ہیں پورا یقین ہو۔ لا إلہ الا اللہ ہی جنت کی کنجی ہے اگر ہم اس کلمہ کے تقاضہ کو پورا نہ کریں گے تو یاد رکھنا اللہ کا فیصلہ اٹل ہے ﴿إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ﴾ (سورہ

مائدہ:۷۲) جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا اس پر اللہ نے جنت حرام کردی ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

شرک کی بہت سی صورتیں ہیں، جن کو انسان سمجھ نہیں پاتا۔ اللہ پر مکمل ایمان نہ ہونے کی وجہ سے ایک مسلمان بھی شرکیہ اعمال میں ملوث ہوجاتا ہے، شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ انسان جنت میں نہ جانے پائے اس لیے اس سے ایسا عمل سرزد کراتا ہے جو انسان کی ہلاکت کا سبب ہوتا ہے۔ تمام انبیاء کرام موحد اور معصوم تھے۔ اللہ تعالی نے ان کو شرکیہ اعمال سے محفوظ کر رکھا تھا، اللہ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ اگر ان سے شرکیہ اعمال سرزد ہوتے تو ان کے تمام کام ضائع و برباد ہوجاتے، سورہ انعام میں تمام انبیاء کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿وَلَوْ أَشْرَكُواْ لَحَبِطَ عَنْهُم مَّا كَانُواْ يَعْمَلُونَ﴾ (سورہ انعام:۸۸) اور اگر یہ حضرات بھی شرک کرتے تو ان سب کا کیا کرایا غارت ہوجاتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی انسان کتنا ہی بڑا ہو یا کتنے بڑے منصب پر فائز ہو، مولانا یا علامہ ہو ان سے بھی شرکیہ اعمال سرزد ہوسکتے ہیں۔ اس لیے محمد ﷺ کے اسوہ کو اپناتے ہوئے آپ کی تعلیمات پر ہی عمل باعث نجات ہے۔

بہت سے لوگ اپنے گھروں و دوکان میں قرآن پڑھواتے ہیں، تعویذ یا کتبہ لٹکاتے ہیں، اپنے جسم و اپنے بچوں کے جسم پر تعویذ باندھتے ہیں، کیوں؟ .... یہ سمجھ کر کرتے ہیں یا یہ بتایا جاتا ہے کہ ان سے ہم پریشانیوں اور نظر بد سے محفوظ رہیں گے، یا ان سے برکت ہوگی، کیا ہمارا یہ عمل صحیح ہے؟ کیا کفار مکہ کا یہی عقیدہ نہیں تھا؟ قرآن میں اللہ نے ہر طرح سے سمجھایا ہے کہ صرف مجھ سے مانگو، میں سب کی سنتا ہوں، سب کچھ میرے قبضۂ قدرت میں ہے۔ قرآن مجید کی اس آیت سے اپنے ایمان کو مضبوط کریں: ﴿قُل لَّن يُصِيبَنَا إِلاَّ مَا كَتَبَ اللّهُ لَنَا هُوَ مَوْلاَنَا وَعَلَى اللّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾ (سورہ توبہ:۵۱) آپ کہہ دیجئے ہمیں ہرگز (کوئی برائی یا بھلائی) نہیں پہنچتی مگر وہ جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی ہے، اللہ ہی ہمارا مولی ہے اور اہل ایمان کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے مثال دے کر سمجھایا، بخاری و مسلم کی حدیث ہے، اللہ کے رسول ﷺ حدیبیہ میں فجر کی نماز سے جب فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے، رات میں بارش ہوئی تھی، آپ نے لوگوں سے فرمایا: "أتدرون ماذا قال ربكم؟" کیا تم جانتے ہو کہ اللہ نے کیا فرمایا؟ صحابہ نے جواب دیا: "الله ورسوله أعلم" اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے کہا اللہ نے یہ کہا کہ میرے کچھ بندے تو مومن رہے اور کچھ کافر ہوگئے، جس نے یہ کہا کہ اللہ کے فضل و کرم سے بارش ہوئی وہ مجھ پر ایمان رکھتا ہے، ستاروں پر نہیں، وأما من قال مطرنا بنوء كذا وكذا. لیکن جس نے یہ کہا کہ فلاں ستارا کے کھسکنے یا فلاں سبب سے بارش ہوئی تو یہ میرا منکر یعنی کافر ہے اور ستاروں پر ایمان رکھنے والا ہے۔

غور فرمائیں صحابہ کرام نے آپ علیہ الصلاۃ والسلام سے کیا تربیت پائی تھی۔ کوئی صحابی قرآن خوانی نہیں کرتا تھا، تعویذ نہیں لٹکاتا تھا، کعبہ کے پردہ یا اس کے پتھر سے برکت نہیں حاصل کرتا تھا۔ حجر اسود پر جہاں آج لوگ دھکم دھکی کرتے ہیں

(بقیہ صفحہ ۹ پر)

درس حدیث

استقامت کی اہمیت

مولانا عبدالمتین مدنی

وَعَنْ أَبِي عَمْرٍو وَقِيْلَ أَبِي عَمْرَةَ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قُلْ لِي فِي الإِسْلَامِ قَوْلًا لَا أَسْأَلُ عَنْهُ أَحَدًا غَيْرَكَ قَالَ: قُلْ: آمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ. (صحیح مسلم، ح:۳۸)

حضرت ابوعمرو اور یہ بھی کہا گیا ابوعمرہ سفیان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ میں نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول آپ مجھے اسلام کی کوئی ایسی (جامع) بات بتلادیں جس کے بارے میں میں آپ کے علاوہ کسی اور سے سوال نہ کروں آپ نے فرمایا: تم کہو کہ میں اللہ پر ایمان لایا پھر اسی پر استقامت اختیار کرلو۔

رمضان المبارک کا مہینہ گذرنے کے بعد عموماً مسلمان ایک بار پھر اپنی سابقہ روش کی طرف عود کر آتے ہیں، عبادتوں سے غفلت اور نیکیاں کمانے کا جذبہ سرد پڑنے لگتا ہے، منکرات ومنہیات بھی ان کی زندگی کا حصہ بن جاتے ہیں۔ گویا عملی زوال کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے اور تقوی کا جوش سرد پڑنے لگتا ہے۔ یہ صورتحال نہ صرف افسوسناک ہے بلکہ اس سبق کے منافی بھی ہے جو رمضان نے ہمیں دیا ہے، ہونا یہ چاہیے کہ ہم نیکی کی راہ پر استقامت اختیار کریں اور رمضان کا مہینہ گذرنے کے بعد بھی اس رب کی بندگی میں لگے رہیں جس کی ہم نے رمضان کے ماہ میں عبادت کی۔ واعبد ربك حتى يأتيك اليقين. (الحجر:۹۹) اور آپ اپنے رب کی عبادت کرتے رہو یہاں تک کہ یقین (موت) آجائے۔

فرض ونفل نمازوں سے غفلت نہ برتیں۔ نفل روزوں کا اہتمام کریں۔ قرآن کریم کو طاق نسیاں کی زینت نہ بنائیں۔ ذکر واذکار سے شام وسحر کو منور رکھیں۔ صدقات وخیرات کو رب کی ناراضگی سے بچاؤ کا ذریعہ بنائیں اور اعضاء وجوارح کو بے لگام نہ ہونے دیں۔ الغرض یہ کہ رمضان المبارک کی برکتیں ہمارے کردار وعمل سے ظاہر ہوں۔

قرآن وحدیث میں دین پر استقامت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے فضائل وفوائد بیان کیے گئے ہیں۔ مذکورہ بالا حدیث میں آپ ﷺ نے اپنے عزیز صحابی کو دین پر استقامت اختیار کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ علماء نے استقامت کی مختلف تعریف کی ہے۔ امام نووی رقمطراز ہیں: قال العلماء: معنى الاستقامة لزوم طاعة الله، قالوا وهي من جوامع الكلم وهي نظام الأمر. (ریاض الصالحین:۵۸) علماء کہتے ہیں: استقامت کا معنی اللہ کی اطاعت پر کاربند رہنا، یہ جوامع کلم اور امور کو منتظم کرنے والی شئ ہے۔

جائزۃ الاحوذی کے مصنف تحریر فرماتے ہیں: هو لفظ جامع بجميع الأوامر والنواهي فإنه لو ترك أمرا أو فعل نهيا فقد عدل عن الطريق المستقيم حتى يتوب. (جائزۃ الاحوذی:۵۸۱/۳) استقامت ایسا لفظ ہے جو تمام اوامر ونواہی کو شامل ہے۔ اس لیے کہ اگر مکلّف نے کسی امر کو چھوڑ دیا یا کسی نہی کا ارتکاب کیا تو اس نے صراط مستقیم سے انحراف کیا، یہاں تک کہ وہ توبہ کرلے۔

امام ابن رجب حنبلی نے استقامت کی جامع تعریف یوں کی ہے: وهو الدين القويم من غير تعويج عنه يمنة ولا يسرة ويشمل ذلك فعل الطاعات كلها الطاهرة والباطنة وترك المنهيات كلها كذلك فصارت هذه الوصية جامعة لخصال الدين كلها. (جامع العلوم والحكم:۳۴۸)

وہ سیدھا دین جس سے ذرا سا بھی دائیں یا بائیں انحراف نہ ہو، اور یہ تمام ظاہری و باطنی اطاعت کے کاموں کو اور منہیات کے چھوڑنے کو شامل ہے۔ گویا یہ ایک ایسی وصیت ہے جو تمام تعلیمات دین کی جامع ہے۔

علامہ ابن رجب حنبلی آگے تحریر فرماتے ہیں: فأصل الاستقامة استقامة القلب على التوحيد فمتى استقام القلب على معرفة الله وعلى خشيته وإجلاله ومهابته ومحبته وإرادته ورجائه ودعائه والتوكل عليه والإعراض عما سواه استقامت الجوارح كلها على طاعته فإن القلب هو ملك الأعضاء وهي جنوده فإذا استقام الملك استقامت جنوده ورعاياه. (جامع العلوم والحكم:۳۴۹)

اصلا استقامت توحید پر دل کی استقامت ہے، پس جب دل اللہ کی معرفت، اس کی خشیت، محبت وخوف، اکرام وتعظیم، ارادہ وامید، دعا وتوکل سے معمور رہے گا اور ماسوا سے اعراض کرے گا تو تمام اعضاء وجوارح اطاعت پر استقامت اختیار کریں گے۔ اس لیے کہ دل حاکم ہے اور اعضاء اس کی رعایا۔ جب حاکم درست رہے گا تو رعایا بھی درست رہے گی۔

مزید فرماتے ہیں: وأعظم ما يراعى استقامته بعد القلب من الجوارح، اللسان، فإنه ترجمان القلب والمعبر عنه. (جامع العلوم والحكم:۳۴۹)

دل کی استقامت کے بعد جوارح میں سب سے زیادہ زبان کی استقامت کی اہمیت ہے، اس لیے کہ وہ دل کے جذبات واحساسات کی ترجمان ہے۔

خلاصہ یہ کہ ایک مسلمان کے لیے راہ خیر پر استقامت اختیار کرنا ضروری ہے یعنی مامورات کو بجالانا اور منہیات سے بچنا۔ یہی وہ استقامت ہے جس کے لیے ہم اپنی ہر نماز میں دعا کرتے ہیں: اهدنا الصراط المستقيم۔ جب بندہ خیر کی راہ پر چل پڑے اور نیکی کی لذتوں سے شادکام ہو جائے تو پھر اس کے لیے برائی کی طرف لوٹنا ایسا ہی ہے جیسے ہدایت کے بعد گمراہی یا روشنی کے بعد تاریکی۔ اور یہ کتنا غیر دانشمندانہ عمل ہے، فرمان باری ہے:

﴿أتستبدلون الذي هو أدنى بالذي هو خير﴾ (سورہ بقرہ:۶۱) بہتر چیز کے بدلے ادنی چیز کیوں طلب کرتے ہو۔

نیز فرمایا: ﴿ولا تكونوا كالتي نقضت غزلها من بعد قوة أنكاثا﴾ (سورہ نحل:۹۲) اور اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنا سوت مضبوط کاتنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر کے توڑ ڈالا۔

اس لیے آیئے ہم عہد کریں کہ رمضان المبارک نے ہمیں تقوی وپرہیز گاری کا جو سبق دیا ہے ہم اسے یاد رکھیں گے اور اسی کے مطابق اپنی زندگی بسر کریں گے۔ رب العالمین ہم تمام مسلمانوں کو استقامت کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ ☆☆

افتتاحیہ

فریضۂ حج ۱۴۳۷ھ اور سعودی حکومت کے انتظامات

معاون مدیر

سعودی عرب عالم اسلام کا مرکز ہے۔اس کے فرماں روا پوری ملت اسلامیہ کے قائد ورہنما ہیں،اس کی ترقی سے ہر مسلمان خوش ہوتا ہے اوراس کی بدامنی ہر مسلمان کے لیے باعث تشویش ہے۔

پچھلے چند سالوں میں اس ملک نے جو ہمہ جہت ترقی کی ہے اور مختلف میدانوں میں جس تیز رفتاری کے ساتھ استحکام کی راہ پر گامزن ہے اس نے اس کے دشمنوں اور بدخواہوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے اور انھوں نے اس رفتار کو روکنے کی ایک گہری سازش رچی ہے۔

دوستی کا دم بھرنے والے بعض ممالک بھی دشمنوں سے جا ملے ہیں اور در پردہ انہیں تقویت پہنچا رہے ہیں۔نتیجتاً سعودی عرب نے اپنی خارجہ پالیسی کو تبدیل کر دیا ہے۔اس نے دوست ممالک کی فہرست میں نہ صرف اضافہ کیا بلکہ عالم اسلام کے چند بڑے ممالک کے ساتھ اپنے دوستانہ روابط بھی مضبوط کیے اور ان کے ساتھ فوجی واقتصادی معاہدے کیے۔اس اقدام نے سعودی عرب کے سیاسی قد کو بڑھایا اور اقتصادی طور پر اسے طاقت وقوت فراہم کیا۔خادم الحرمین الشریفین کی مدبرانہ قیادت اور دونوں بابصیرت ولی عہد کے سیاسی اقدامات کی اس ملک کی وفادار عوام نے بھرپور تائید وحمایت کی اور عالم اسلام نے اسے تحسین کی نظروں سے دیکھا۔

دوسری طرف بدخواہوں کی بوکھلاہٹ بڑھتی چلی گئی۔دو ایسے فرقے جن کے سیاہ کارناموں سے قرون اولی کی تاریخ بھی تاریک ہے یعنی خوارج اور روافض جنھوں نے اسلام کی شبیہ کو بگاڑا اور ہر محاذ پر مسلمانوں کو نقصان پہنچایا،اب اس ملک کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔اگرچہ عقیدہ وعمل کے اعتبار سے دونوں دو متضاد سرے پر ہیں مگر ''بغض معاویہ'' نے دونوں کو ایک کر دیا ہے بلکہ حیرت کی بات یہ ہے کہ خوارج نے روافض کی ماتحتی قبول کر لی ہے اور ان کے آلۂ کار بن کر ان کے مشن کو پورا کرنے میں لگے ہیں۔

حج ۱۴۳۷ھ کے لیے ایران نے سعودی عرب کے سامنے ایسی شرائط رکھی جو نہ صرف دینی اعتبار سے ناقابل قبول تھیں بلکہ ان سے اس بات کا بھی اندیشہ تھا کہ حج جیسی مقدس عبادت سیاسی رنگ اختیار کر لے گی۔گذشتہ سال منی کا افسوسناک حادثہ پیش آیا اس کی وجہ سے سعودی انتظامیہ کسی بھی طرح کا خطرہ مول لینا نہیں چاہتی۔اس لیے ایران کے شرائط مسترد کر دی گئیں،جوابی کارروائی کے طور پر ایران نے یہ اعلان کر دیا کہ اس کے حجاج امسال حج کے لیے نہیں جائیں گے۔عالم اسلام نے ایران کے اس احتجاج کی حمایت وتائید نہ کی بلکہ اس پر افسوس کا اظہار کیا لیکن یہ مستبعد نہیں کہ ایران کے ہم نوا بعض دوسرے ممالک سے آکر شریک حج ہوں اور نظم ونسق کے مسائل پیدا کر کے عام حجاج کو اذیت وتکلیف پہنچانے کا کام کریں

اس لیے سعودی وزارت داخلہ کو چوکنا رہنا ہوگا۔

خوارج جواب داعش کے نام سے جانے جاتے ہیں یہ فتنہ بھی سعودی حکومت کے لیے ایک بڑا چیلنج ہے۔ یہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں، ان کی جان و مال کو حلال سمجھتے ہیں، اللہ کی زمین پر فتنہ وفساد برپا کرتے ہیں، ملک کے امن وامان کو تاراج کرتے ہیں، وہ اسلام سے ایسے خارج ہیں جیسے تیر کمان سے، دشمن کے آلہ کار بن کر انسانیت کا خون بہا رہے ہیں۔ داعش عصر حاضر کا سب سے بڑا فتنہ ہے، اس نے حکومتوں کی ناکوں میں دم کر رکھا ہے اور اس سے عام مسلمانوں کو نقصان اٹھانا اور ذلت اور خوف کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، قیام امن کے لیے حکومتوں کی کارروائیاں جھیلنی پڑ رہی ہیں، مسلم نوجوانوں کو اس فتنہ سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے، یہ دوست نہیں دشمن ہیں، پوری انسانیت کو ان کے فریب سے بچنا چاہیے اور انہیں معاشرہ میں پنپنے کا موقع ہرگز ہرگز نہیں دینا چاہیے۔

یہ حور وقصور کی لالچ دے کر، مظلومیت کے واقعات سنا کر، حکمرانوں کے ظلم کا واسطہ دے کر، عدالتوں کی بے انصافیاں بیان کر کے سادہ لوح نوجوانوں کو ورغلاتے ہیں اور انہیں اپنا آلہ کار بناتے ہیں اسلام کا ان سے کوئی تعلق نہیں، ان کے جھانسے میں آ کر کوئی اپنا دین اور اپنی حب الوطنی کا سودا نہ کر بیٹھے، ورنہ اپنی دنیا وآخرت دونوں خراب کر لے گا، رب کی ناراضگی مول لے گا اور دنیا میں عتاب سے نہ بچ سکے گا۔

پچھلے دو مہینوں میں دہشت گردی کے کئی واقعات رونما ہوئے۔ بغداد، کابل، ڈھاکہ، نیس، استانبول دہشت گردانہ کارروائیوں کے نشانہ بنے، صرف سعودی عرب کے اندر رمضان کے مقدس مہینہ میں جدہ، القطیف اور حرم نبوی شریف میں داعش نے خونی کھیل کھیلا، قبر رسول ﷺ کے جوار میں، رمضان کے مقدس مہینہ میں، معصوم روزہ داروں کو نشانہ بنانا کیا یہی اسلام کی تعلیم ہے، ہرگز نہیں، اسلام کا اس سے کوئی واسطہ نہیں، اسلام اس جیسی تمام سفاکانہ کارروائیوں سے بری ہے۔

حرم نبوی میں اس دہشت گردانہ کارروائی نے ہر مسلمان کو بے چین کر دیا ہے، ان کے دل میں ان ظالموں کے لیے نفرت کی آگ بھڑک رہی ہے اور سعودی حکومت اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے نیز حرمین شریفین، مقامات مقدسہ، مشاعر حج، مساجد ومدارس کی حفاظت کے لیے جو بھی اقدام کرتی ہے پوری دنیا کے مسلمانوں کی اسے حمایت وتائید حاصل ہے اور سعودی عرب کے علاوہ وطن عزیز اور پوری دنیا میں دہشت گردوں کے خلاف کارروائی کی ہم سلفیان ہند حمایت کرتے ہیں، اس لیے کہ اسلام امن کا پیغامبر ہے اور امن کا قیام ہی اس کا مشن ہے۔

فریضۂ حج ۱۴۳۷ھ کے لیے وزارت حج اور متعلقہ دوسری وزارتوں نے اپنی تیاریاں پوری کر لی ہیں۔ نئے وزیر حج ڈاکٹر محمد صالح بنتن بڑی صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ ہم امید رکھتے ہیں کہ پوری وزارت بڑے سلیقے کے ساتھ ان کی قیادت میں اپنے فرائض انجام دے گی اور جملہ امور حج بغیر کسی بدنظمی وبے ترتیبی کے باذن اللہ انجام پائیں گے، ان شاء اللہ۔

حکومت سعودی عرب نے حجاج کی حفاظت کے لیے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جو ممالک وبائی امراض کے شکار ہیں عالمی ادارہ صحت کی موافقت کے بعد ہی ان کے حجاج کو آنے کی اجازت دی جائے گی تاکہ دیگر حجاج وبائی بیماریوں سے محفوظ رہیں۔

نیز یہ طے کیا گیا ہے کہ ہر حاجی کو ایک گھڑی نما الکٹرانک کڑا دیا جائے گا جس میں اس کا نام، فوٹو، پاسپورٹ اور ویزا نمبر نیز مکہ و مدینہ اور مشاعر حج میں قیام کی تفصیل موجود ہوگی جس سے حاجی اور حج سے متعلق ذمہ داروں کو بڑی سہولت فراہم ہوگی۔

حکومت نے یہ اعلان بھی کیا ہے کہ منی وعرفات میں ٹی وی چینلس پر پابندی ہوگی، اگر ضروری ہوا تو ٹورس کمپنیاں لوکل چینلس نیز سعودی نیوز چینلس ہی حجاج کے لیے نشر کرسکیں گی۔

اسی طرح دعوتی امور کو انجام دینے نیز حج کے احکام ومسائل کی تعلیم کے لیے دوران حج ٹورس کمپنیاں صرف سعودی اسلامی وزارت کے معتمد داعیوں کی خدمت حاصل کرے گی تاکہ حجاج کی صحیح رہنمائی ہوسکے اور اس سلسلہ میں کسی طرح کا اختلاف وانتشار پیدا نہ ہو۔

ہم امید کرتے ہیں کہ گذشتہ سالوں کی طرح امسال بھی تمام حجاج کرام ''بلد امین'' میں پورے امن وامان کے ساتھ فریضۂ حج ادا کریں گے، قدم قدم پر حکومت خادم الحرمین الشریفین نے ان کے لیے جو عدیم المثال انتظامات کیے ہیں ان سے وہ مستفید ہوں گے اور عافیت کے ساتھ اپنے وطن عزیز کو واپس آئیں گے۔ وما ذلك على الله بعزيز۔☆☆☆

(بقیہ درس قرآن)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ تو صرف ایک پتھر ہے، نفع نقصان نہیں پہنچا سکتا، اگر میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو بوسہ لیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو بوسہ نہ لیتا۔ ایک درخت کے نیچے کچھ لوگ نماز پڑھنے لگے، پوچھا کیا بات ہے، معلوم ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے یہاں نماز پڑھی تھی، حضرت عمر نے کہا یہ غلط کام ہے اور آپ نے اس درخت کو ہی کٹوا دیا کہ نشان مٹ جائے۔

قرآن وسنت میں جو کچھ ہمیں بتایا گیا ہے عقیدہ وایمان کے لیے کافی ہے۔ ایک سچے مسلمان کا اللہ پر پورا ایمان اور بھروسہ ہونا چاہیے کہ اللہ ہمارا خالق ہے تو وہی ہمارا مالک ہے اور سارے جہان پر اسی کی حکومت ہے، کائنات کے نظام کو چلانے والا وہی ہے۔ ﴿يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنَاثاً وَيَهَبُ لِمَن يَشَاءُ الذُّكُورَ، أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَاناً وَإِنَاثاً وَيَجْعَلُ مَن يَشَاءُ عَقِيماً إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ﴾ (سورہ شوری:۴۹-۵۰) جسے چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے جسے چاہتا ہے لڑکے دیتا ہے جسے چاہتا ہے دونوں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بانجھ بنا دیتا ہے، وہ (سب کچھ) جانتا ہے اور (ہر چیز پر) قدرت رکھتا ہے۔

کیا قرآن کی یہ آیت ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ ﴿أَمَّنْ هَذَا الَّذِي يَرْزُقُكُمْ إِنْ أَمْسَكَ رِزْقَهُ بَل لَّجُّوا فِي عُتُوٍّ وَنُفُورٍ﴾ (سورہ ملک:۲۰) پھر بتاؤ، کون ہے جو تمہیں رزق دے سکتا ہے، اگر رحمٰن اپنا رزق دینا روک دے؟ دراصل یہ لوگ سرکشی اور حق سے گریز پر اڑے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالی ہم کو موحد اور متقی مسلمان بنائے، لا إله إلا الله کے مفہوم کو سمجھنے والا، اس کے مطابق زندگی گذارنے والا بنائے اور ہمارا خاتمہ اسی عقیدہ اور اسی کلمہ پر ہوتا کہ ہم جنت کے مستحق بن سکیں۔ ☆☆☆

رمضان کے بعد عبادتوں پر مداومت اور پابندی

خطبہ وتحریر: ڈاکٹر اسامہ بن عبداللہ خیاط
امام وخطیب مسجد حرام، مکہ مکرمہ

ترجمہ: ڈاکٹر عبدالمنان محمد شفیق
مدرس ام القری یونیورسٹی، مکہ مکرمہ

الحمد لله الكريم المنان، أحمده سبحانه على نعمه السابغة وخيراته الحسان، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له الملك الديان، وأشهد أن سيدنا ونبينا محمدا عبدالله ورسوله سيد ولد عدنان، اللهم صل وسلم على عبدك ورسولك محمد وعلى آله وصحبه ما تعاقبت العصور والأزمان، أما بعد.

اللہ کے بندو! اللہ کا تقوی اختیار کرو اور یاد رکھو کہ اس توشہ سے اچھا اور بہتر کوئی توشہ نہیں ہے اور تقوی کے لباس سے بہتر کوئی لباس نہیں ہے۔

دنیاوی زندگی کے کھیل کود اور لغویات کے مابین نیز اس کی زیب وزینت، آرائش وزیبائش سے دھوکہ میں پڑنے اور اس کی لذتوں سے لطف اندوز ہونے کی شدت وزحمت میں انسانوں کی کئی جماعتیں صحیح معنی ومفہوم سے بھٹک جاتی ہیں، ان کی عقلیں اختلاط کا شکار ہو جاتی ہیں اور ان کا مشن اور کارواں اضطراب کی نذر ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اکتاہٹ اور بیزاری میں مبتلا ہو جاتے ہیں جو انہیں آمادگی کے بعد پیٹھ پھیرنے، ہمت کے بعد سستی وکاہلی اور جوڑنے کے بعد توڑنے پر ابھارتی ہیں۔ اسی وجہ سے رمضان کا مہینہ ختم ہونے کے بعد ان کے دلوں میں جاری وساری عزیمت وپختگی کمزور پڑ جاتی ہے، متانت اور جدوجہد کی چنگاری ماند پڑ جاتی ہے۔ انہوں نے اپنے اس ارتقائے معکوس کے ذریعہ مکمل کو ناقص سے بدل دیا۔ وہ اپنے احوال مثلاً بھلائی کے کاموں میں مسابقت، باقی رہنے والی نیکیوں میں منافست اور تقرب الٰہی کے مختلف کاموں میں اپنے اوقات کا استعمال کرنے سے کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ تغیر احوال بلاشبہ غفلت یا دو واضح حقیقتوں سے لاپرواہی کا نتیجہ ہے:

پہلی حقیقت یہ ہے کہ مومن کا عمل اس کی موت تک ختم نہیں ہوتا ہے جیسا کہ ہمارے رب نے اپنی مخلوق میں سب سے اشرف واکرم شخصیت نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کر کے حکم دیا کہ وہ اپنے رب کی عبادت میں اپنی وفات تک برابر لگے رہیں اور اس پر پابندی کے ساتھ عمل کریں۔ چنانچہ قرآن کا ارشاد ہے ﴿واعبد ربك حتى يأتيك اليقين﴾ (الحجر: ۹۹) اپنے رب کی عبادت کیجئے یہاں تک کہ آپ کے پاس یقین (موت) آجائے۔

دوسری حقیقت یہ ہے کہ یہ ماہ وسال وشب وروز سب حافظ ابن رجب رحمہ اللہ کے قول کے مطابق اوقات کی مقدار ہیں، کاموں کے لئے مقرر اوقات ہیں جو جلد ہی ختم ہو جائیں گے اور سب ہمارے ہاتھوں سے پھسل جائیں گے لیکن جس ذات نے ان کو پیدا کیا ہے اور عدم سے وجود بخشا ہے، ان کو فضیلتوں کے ساتھ خاص کیا ہے اور ان میں خوبیاں اور بھلائیاں

رکھی ہیں، وہ باقی رہے گی، فنا نہیں ہوگی، وہ ہمیشہ رہے گی، اسے زوال نہیں ہے اور تمام اوقات میں وہ ایک ہی معبود ہے جو اپنے بندوں کے اعمال پر نظر رکھے ہوئے ہے اور ان کی نگرانی کر رہا ہے۔

یاد رہے کہ ہمارے اسلاف کرام نے اس شخص کی مذمت کی ہے جس کی عبادت صرف ماہ رمضان تک محدود رہتی ہے، اسی وجہ سے بعض حضرات نے کہا ہے کہ وہ قوم انتہائی بری ہے جو صرف رمضان کے مہینے میں اللہ کو صحیح طور پر پہچانتی ہے۔ بلاشبہ نیک وصالح وہ شخص ہے جو سال بھر اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ بعض لوگوں سے پوچھا گیا کہ کون سا مہینہ افضل ہے، رجب یا شعبان؟ ان کا جواب تھا ربانی بنو شعبانی نہ بنو۔ یعنی صرف ماہ رمضان میں اللہ کی عبادت کرنے والے نہ بنو۔

ایک مسلمان جو اپنی ذات کا خیر خواہ ہے اور اس کی بھلائی چاہتا ہے تو اس کے لئے بہترین اسوہ اور نمونہ نبی اکرم ﷺ کی سیرت، آپ کا طریقہ اور آپ کا اپنے رب کے ساتھ معاملہ کے مختلف احوال ہیں۔ جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے أنها سئلت: هل كان النبى صلى الله عليه وسلم يخص يوما فى الأيام – أي:بعبادة – ويتركها فى غيره فقالت: لا، كان عمله ديمة. ان سے پوچھا گیا کہ کیا رسول اللہ ﷺ کسی دن کو کسی عبادت کے لئے خاص کرتے تھے؟ یعنی کوئی ایسی عبادت جسے آپ کسی خاص دن میں کرتے اور باقی دنوں میں نہ کرتے، تو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ آپ کا عمل ''دیمہ'' تھا۔ دیمہ ہلکی پھلکی مسلسل بارش کو کہتے ہیں جس میں گرج اور چمک نہ ہو۔ (یعنی آپ ﷺ جو بھی عبادت کرتے تھے ہمیشہ کرتے تھے اور ان میں ایک تسلسل ہوا کرتا تھا)

اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنے اعمال پر مداومت برتتے تھے یعنی جب بھی کوئی کام کرتے تھے تو اس کو برابر کرتے رہتے تھے لیکن ساتھ میں اس میں نرمی اور آسانی برتتے تھے کیوں کہ عمل میں مداومت برتنے اور اس کی ترغیب دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس میں غلو کیا جائے، زیادتی کی جائے یا شدت اختیار کی جائے کیوں کہ اس رویے سے انسان عاجز ہو کر عمل سے دست بردار ہو جاتا ہے اور اسی سے ہمارے نبی رحمت نے خبردار کیا ہے جیسا کہ صحیح بخاری وصحیح مسلم میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اكلفوا فى العمل ما تطيقون ''اپنی طاقت کے بقدر ہی اپنے آپ کو کاموں کا مکلّف بناؤ۔''

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: إن الدين يسر، ولن يشاد الدين أحد إلا غلبه، فسددوا وقاربوا وابشروا واستعينوا بالغدوة والروحة وشئي من الدلجة. ''بلاشبہ دین آسان ہے اور جو کوئی اس میں سختی برتے گا تو وہ اس کے اوپر غلبہ پالے گا لہٰذا اعتدال کو لازم پکڑو، میانہ روی اختیار کرو، خوش ہو جاؤ اور صبح، شام اور رات کے آخری حصہ میں سفر کر کے مدد طلب کرو۔'' یہ روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے، اسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں اور امام نسائی نے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے۔ اس حدیث کے بعض طرق کے الفاظ یہ ہیں: القصد، القصد تبلغوا ''اعتدال اور میانہ روی اختیار کرو، تم اپنی ضرورت پالو گے۔''

یہ بات آپ ﷺ نے اس وقت فرمائی تھی جب آپ کا گزر ایک ایسے مسلمان کے پاس سے ہوا جو ایک چٹان پر نماز

پڑھ رہا تھا۔ ایک کنارے ہوکر آپ کچھ دیر ٹھہرے رہے، پھر اس کے پاس گئے تو اسے اسی حالت میں پایا۔ وہاں آپ کھڑے ہو گئے، اپنی دونوں ہتھیلیوں کو ملایا اور پھر فرمایا: أيها الناس! عليكم القصد عليكم القصد. ''لوگو! اعتدال اور میانہ روی کو لازم پکڑو۔'' اس سے آپ کا مقصد ہلاکت تک لے جانے والی زیادتی سے روکنا تھا اور ایسی نفل نماز میں غلو کرنے سے روکنا تھا جو اس سے افضل عمل کے چھوٹنے کا باعث بن جائے۔ اس کی مثال وہ آدمی ہے جو رات بھر نفل نماز پڑھتا رہا اور نیند پر غلبہ پانے کی کوشش کرتا رہا یہاں تک رات کے آخری حصہ میں اس کی آنکھوں نے غلبہ پالیا اور وہ صبح کی نماز جماعت سے ادا نہ کر سکا یا اس کا وقت ہی فوت ہو گیا۔ اہل علم کی وضاحت کے مطابق اس حدیث میں چستی اور سرگرمی نیز دل سے اطاعت کرنے کے لئے اپنے اوقات کو فارغ کرنے کی طرف اشارہ ہے کیوں کہ ''غدوۃ'' صبح کے وقت سفر کرنے کو کہتے ہیں، ''روحہ'' سورج ڈھلنے سے رات کے آغاز تک سفر کرنے کو کہتے ہیں اور ''دلجۃ'' آخری رات میں سفر کرنے کو کہتے ہیں۔ ایک مسافر کے لئے سفر کے یہ بہترین اوقات ہیں۔ اسی لئے اسے تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ اپنی چستی کے اوقات کو غنیمت جانے۔ اگر اس نے رات دن لگاتار اپنا سفر جاری رکھا تو تھک ہار کر بیٹھ جائے گا اور اپنا سفر جاری نہ رکھ سکے گا۔ اس کے برعکس اگر وہ ان فرحت بخش اور نشاط انگیز اوقات میں سفر کرتا ہے تو بلاشبہ وہ بغیر کسی مشقت اور پریشانی کے اپنے سفر میں مداومت برت سکتا ہے یعنی ایک تسلسل سے اپنا سفر جاری رکھ سکتا ہے۔

اسی وجہ سے اللہ اور اس کے رسول کی نظر میں سب سے محبوب عمل وہ ہے جس پر مداومت برتی جائے خواہ وہ کم ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ اللہ کو کون سا عمل سب سے زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے جواب دیا: أدومها وإن قل ''مداومت والا عمل خواہ وہ کم ہی کیوں نہ ہو۔ اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے فرمایا: كان أحب العمل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم الذى يداوم عليه صاحبه. رسول اللہ ﷺ کو سب سے محبوب وہ عمل تھا جس پر عمل کرنے والا پابندی کرے۔

اے اللہ کے بندو! عمل پر مداومت پر جن چیزوں سے مدد ملتی ہے، ان میں سے ایک ہر مسلمان کے لئے یہ جاننا ہے کہ ماہ رمضان ختم ہونے کے بعد عبادت کی بجا آوری خاص طور پر روزہ کا دہرانا، اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ماہ رمضان کے روزوں کو قبول فرمالیا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندے سے اس کی اطاعت کو قبول فرمالیتا ہے تو اس کو اس کے بعد بھی نیک عمل کی توفیق دیتا ہے جیسا کہ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ نیکی کا ثواب اس کے بعد نیکی کرنا ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی نیکی کے بعد برائی کرتا ہے تو وہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی نیکی کو شرف قبول نہیں بخشا۔

چونکہ ماہ رمضان کے بعد اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری خصوصاً روزے کا دہرانا، اس بڑے ثواب کے احسان کے طور پر اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنا ہے جو اس نے اس روزہ دار کے لئے تیار کیا ہے جو ایمان اور اللہ سے ثواب کی امید رکھتے ہوئے رمضان کا روزہ رکھے اور وہ اس کے تمام سابقہ گناہوں کی بخشش ہے۔ اللہ کے بندو! بلاشبہ اسلام کی نعمت کے بعد اس نعمت سے بڑھ کر کوئی اور

نعمت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ راتوں میں قیام فرماتے تھے یہاں تک کہ آپ کے پیر پھٹنے لگتے تھے۔ جب آپ سے اس کی بابت یہ کہا گیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں جب کہ اللہ نے آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دیے ہیں۔ آپ کا جواب تھا کہ أفلا أكون عبدا شكورا؟ کیا میں اپنے رب کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ یہ روایت بخاری اور مسلم کی ہے۔

اللہ نے بھی اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ روزہ کی نعمت پر اس کے شکر کا اظہار کریں۔ اسی لئے اللہ نے فرمایا ہے: ﴿ولتكملوا العدة ولتكبروا الله على ما هداكم ولعلكم تشكرون﴾ (البقرہ: ۱۸۵) ''تاکہ تم روزوں کی گنتی کو پوری کرسکو اور جس ہدایت سے اللہ نے تمہیں سرفراز کیا ہے، اس پر اللہ کی کبریائی کا اظہار و اعتراف کرو اور شکر گزار بنو۔

یقیناً رمضان کا مہینہ ختم ہونے کے بعد روزہ اور دیگر تمام عبادتوں پر مداومت کرنا رمضان کے روزوں کی نعمت پر اللہ تعالیٰ کے شکریے کی قبیل سے ہے۔ لہٰذا اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو۔ اعمال پر مداومت برتو اور اس پر لگاتار عمل پیرا رہنے کے حریص رہو اور زندگی کی آخری سانس تک اطاعتوں اور نیکیوں پر ثابت قدمی کا اللہ سے سوال کرو۔

برادران اسلام! اس میں کیا شک ہے کہ ماہ رمضان نیک لوگوں اور اچھے انسانوں کی مسابقت اور منافست کا میدان تھا، مہذب بنانے کا عنصر تھا، مسلمانوں کے نفسوں کو سدھارنے کا ذریعہ تھا اور روحانی بلندی، ذات کی تکمیل اور اخلاقی و معاشرتی اصلاح کا ایک مدرسہ تھا لیکن ماہ شوال کے چھ روزے جن پر ابھارا گیا ہے اور جن کی ترغیب دی گئی ہے، وہ ماہ رمضان کی عبادت کے تسلسل کو باقی رکھتے ہیں جیسا کہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: من صام رمضان ثم أتبعه ستا من شوال كان كصيام الدهر. جس نے ماہ رمضان کے روزے رکھے، پھر اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے تو یہ زندگی بھر روزہ رکھنے کے مترادف ہے۔

جس نے طاعت و عبادت پر پابندی کی، معصیت کی راہ پر چلنے سے دور رہا اس کے لئے حق ہے کہ اس کے تمام دن ہی عید ہوں، جیسا کہ حضرت حسن بصری کا قول ہے: ہر وہ دن تیری عید ہے جس دن تو اللہ کی نافرمانی نہ کرے۔

اللہ کے مخلص بندوں میں سے جس کو اس کی توفیق ملی، اور اس پر اس کی مدد کی گئی تو اس کے لئے اپنی حالت کا وصف بیان کرتے ہوئے، اپنے رب کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اور اپنے علاوہ کو اپنے نقش قدم پر چلنے کی دعوت دیتے ہوئے یہ کہنا حق ہے کہ:

میری عید تو دائمی ہے جب کہ دوسرے لوگوں کی عید ختم ہونے والی ہے۔ اور میرا دل لذتوں سے بے رغبت و اعراض کرنے والا ہے۔

میرے دو ساتھی ہیں جن کا کوئی جانشین نہیں ہے۔ ایک عظیم اشتیاق اور دوسرا آنسو بہانے والی آنکھ ہے۔

اسی وجہ سے شوال کے یہ چھ روزے رمضان کی راہ پر مسلسل گامزن رہنے، اس سے لگاتار مستفید ہونے اور اس کی روحانی تربیت سے مضبوط تعلق قائم کرنے، اس کی ایمانی راہوں پر سچی عزیمت اور مستحکم ارادوں کے ساتھ لگاتار چلنے کے لئے ایک مضبوط اور زبردست ذریعہ ہے۔

☆☆☆

خانہ آبادی اور اسلامی احکامات

تحریر: ڈاکٹر عبدالباری بن عوض الثبیتی
امام وخطیب مسجد نبوی شریف، مدینہ منورہ

ترجمہ: نسیم اختر عبدالمجید سلفی
استاذ مدرسہ احمدیہ سلفیہ آرہ، بہار

گھر ایک نعمت ہے جس کی قیمت واہمیت اس سے پوچھیے جو بے گھر ہے اور کسی اجنبی قیام گاہ یا جیل کی تنگ وتاریک کوٹھریوں میں ہے یا کسی سڑک یا چٹیل میدان میں سرگشتہ پھر رہا ہے، اللہ رب العالمین نے گھر کی قدر و قیمت بتاتے ہوئے فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُم مِّن بُيُوتِكُمْ سَكَناً﴾ (النحل:۸۰)

اللہ ہی نے تمہارے لیے تمہارے گھروں کو سکون واطمینان کی جگہ بنایا۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: اللہ تبارک وتعالی نے اپنے بندوں پر جو نعمتیں پوری کی ہیں ان کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ گھروں کو ان کے لیے جائے سکون بنا دیا جہاں وہ پناہ لیتے ہیں اور اپنا وجود چھپاتے ہیں اور ہر قسم کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔

مسلمان گھرانہ ایک ایسی امانت ہے جس کا بار میاں بیوی اٹھائے ہوئے ہیں اور یہی دونوں اس عمارت کی بنیاد اور اس کے گوشوں کے ستون ہیں، ان ہی دونوں کے ذریعہ گھر اپنی رفتار زندگی کی نگرانی کرتا ہے، جب یہ دونوں قول وعمل کے اعتبار سے منہج الٰہی پر گامزن ہوتے ہیں اور ظاہر وباطن میں تقوی سے مزین ہوتے ہیں، خوش خلقی اور سیرت طیبہ سے آراستہ ہوتے ہیں تو پورا گھرانہ مرکز نور اور مصدر فضیلت بن جاتا ہے اور انسانی ماحول میں ایسا رچ بس جاتا ہے کہ صالح نسل کی افزائش کنندہ، شریف معاشرہ کے معمار اور ایک عظیم قوم کے بانی کا مقام پاتا ہے۔

میں میاں بیوی دونوں سے کہتا ہوں کہ آپ دونوں کا گھر دین کا ایک قلعہ ہے اور آپ میں سے ہر ایک اس قلعہ کے شہر پناہ پر کھڑے نگرانی کر رہے ہیں تاکہ کوئی دشمن اس کی طرف آنہ دھمکے، آپ دونوں اس قلعہ کے محافظ ہیں اور پورے گھر کا کنٹرول شوہر کے ہاتھ میں ہے، اس کی اطاعت واجب ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص نگراں ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی نگرانی کے متعلق پوچھا جائے گا، آپ نے مزید فرمایا: ''اور عورت اپنے شوہر کے گھر میں ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں سوال کیا جائے گا''۔

بیشک نبوی گھرانہ اور حرم نبوت کی امہات المؤمنین روئے زمین کے تمام گھرانوں کے لیے قابل رشک نمونہ ہیں، وہ ایسا گھرانہ تھا جو آسودہ حالی اور خوش عیشی سے گریزاں تھا، ذکر وتلاوت میں ہر دم مصروف، اپنی زندگی کا واضح نصب العین لیے ہوئے زہد وقناعت اور رضا کی اچھوتی مثالیں قائم کیں، رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو زندگی کے مختلف شعبوں کی کامیاب

تربیت دینے کے بعد انہیں دنیاوی زندگی کی زیب وزینت اور اللہ، رسول اور دار آخرت کے درمیان اختیار دیا کہ جس کو چاہیں اپنی مرضی سے چن لیں جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: (اے نبی ﷺ! اپنی بیویوں سے کہہ دیجیے اگر تم دنیوی زندگی کی زینت وآرائش چاہتی ہو تو آؤ میں تم سب کو کچھ سامان زندگی دے دوں اور پوری طرح سے آزاد کردوں، اور اگر تم اللہ، اس کے رسول اور آخرت کا گھر چاہتی ہو تو اللہ نے تم میں سے نیکوکار عورتوں کے لیے اجر عظیم تیار کر کے رکھا ہے) (الاحزاب: ۲۸-۲۹)

سیدہ عائشہ اور دیگر تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے یہی کہا: ہم اللہ، اس کے رسول اور دار آخرت کو پسند کرتے ہیں۔ وہ اسلامی گھرانہ جس کی بنیاد عہد اول کے مسلمانوں نے رکھی تھی، اس کا منہج قولی وعملی اعتبار سے اسلام تھا، انھوں نے اپنی زندگیاں نور ایمانی سے منور کرلیں، قرآنی اخلاق سے فیض یاب ہوئے، پھر ان کی کوکھ سے ایسے نادر اسلامی نمونہ نکلے جنھوں نے تاریخ کے صفحات کو اپنے روشن کارناموں سے بھر دیا، اس وقت اسلامی گھرانوں نے کارزار حیات کے لیے مایہ ناز بہادروں، یکتائے روزگار اہل علم، زاہد صفت عبادت گزاروں، مخلص قائدین، نیک سپوتوں اور پارسا خواتین کو جنم دیا۔

یہ اسلامی گھرانے تب وجود میں آئے جب اس کی بنیاد ایمان وہدایت پر رکھی گئی اور نور ایمانی سے مستنیر ہوئے۔

پاک وصاف اسلامی گھرانہ بچوں کی فطرت کو انحراف سے بچاتا ہے، رسول گرامی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: ہر بچہ اپنی فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ یا تو اسے یہودی بنا دیتے ہیں یا نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں۔ (اخرجہ البخاری)

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اولاد میں اکثر بگاڑ والدین ہی کی طرف سے آتا ہے، اگر انھوں نے لاپرواہی سے کام لیا اور دین کے فرائض وسنن کی تعلیم نہ دی تو بچپن میں ہی وہ ضائع ہوگئے، ایسی اولاد نہ تو اپنے آپ کو فائدہ دے سکے گی اور نہ اپنے والدین کے لیے خیر کا ذریعہ ثابت ہوگی۔

کتنا اچھا ہوتا کہ گھر کا گارجین اپنے بچوں کو جمع کر کے قرآن پڑھ کر سناتا اور انہیں نبیوں کی سچی حکایتیں سناتا اور ان کے دلوں اور طرز عمل میں اعلی اقدار کی کاشت کرتا۔

مسلم گھرانے کی سب سے پہلی ترجیح اور سب سے اعلی پیغام جو وہ سماج کو دے سکتا ہے وہ اولاد کی تربیت اور مستحکم وپارسا نسل مہیا کرنا ہے۔

کوئی تربیت اس وقت تک قدر وقیمت والی نہیں ہوسکتی اور کوئی نصیحت اس وقت تک اثر پذیر نہیں ہوسکتی جب تک والدین اس کے اعلی نمونہ نہ ہوں، وہ عبادات واخلاق میں آئیڈیل ہوں، اقوال واعمال میں نمونہ ہوں، ظاہر وباطن میں اسوہ ہوں۔

اللہ تعالی نے فرمایا: ''اور وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں ایسی بیویاں اور اولاد عطا کر جو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک ہو، اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا''۔ (الفرقان: ۷۴)

اور ابراہیم علیہ السلام کی دعا پر غور کیجیے (اے میرے رب مجھے اور میری اولاد کو نماز کا پابند بنا اور اے ہمارے رب دعا قبول فرما'' اور اللہ تعالی نے فرمایا: (اور اپنے اہل وعیال کو نماز کا حکم دو اور خود بھی اس پر قائم رہو ہم تم سے رزق کا مطالبہ نہیں کرتے ہم تمہیں رزق دیں گے اور آخر انجام متقیوں کے لیے ہے)۔

اسلامی معاشرے میں انحراف کی افزائش:

جب کوئی گھر اسلام واستقامت سے دور ہوتا ہے تو وہاں انحراف پیدا ہوتا ہے، منشیات کا بازار گرم ہو جاتا ہے، جرائم کی شرح بڑھ جاتی ہے، وہ گھرانہ جو ایمان کی بیج نہیں بوتا، قرآن کے منہج پر نہیں چلتا، الفت ومحبت کے ساتھ زندگی نہیں گزارتا وہ ایسی نسلوں کو پیدا کرتا ہے جس میں نفسیاتی انتشار، فکری آوارگی اور اخلاقی بگاڑ ہوتا ہے، یہ نافرمانیاں جو بعض اولاد میں پائی جاتی ہیں، تعلقات میں کشیدگی، غیر ذمہ دارانہ حرکت، اللہ سے اعراض، اصول وقوانین سے بغاوت پائی جاتی ہے جو آج امت کے ایک طبقے کو بہائے جارہی ہے، یہ اس غفلت کا حتمی نتیجہ ہے جو اسلامی گھرانے نے برتی ہے، تربیت وتزکیہ کو چھوڑا ہے، جب اس میں کوئی آئیڈیل نہ رہے تو اس کا شیرازہ بکھر گیا۔

مسلم گھرانے کی پہچان:

مسلم گھرانے کی اصلی پہچان یہ ہے کہ اسے کوئی بھی معاملہ درپیش ہو، کسی بھی قسم کا اختلاف ہو چھوٹا ہو یا بڑا اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹاتے ہیں پھر گھر کے سارے افراد اس فیصلہ کو بسر وچشم قبول کر لیتے ہوں، ارشاد باری ہے: (جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے میں فیصلہ کر دیں تو کسی مسلمان مرد وعورت کو اس میں چوں وچرا کا اختیار نہیں رہتا اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا)۔

مسلم گھرانے کی زندگی اس کی سعادت، انسیت ولذت اللہ کے ذکر میں ہے، ابوموسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ گھر جس میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے زندہ کی طرح ہے اور وہ گھر جس میں اللہ کا ذکر نہیں کیا جاتا مردہ کی طرح ہے''۔ (رواہ مسلم)

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: تم اپنی نمازوں میں سے کچھ حصہ اپنے گھروں کے لیے کرو اور انہیں قبرستان نہ بناؤ۔ (متفق علیہ)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے جس میں سورہ بقرہ کی تلاوت کی جاتی ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین)

یہ اور اس طرح کی دیگر احادیث مسلم گھرانوں کو اللہ کے ذکر، تسبیح وتہلیل اور تکبیر وغیرہ سے زندہ اور منور کرنے کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہیں اور بکثرت نفل نمازوں سے احیاء پر دلالت کرتی ہیں، مسلم گھرانے اگر ذکر ونماز سے خالی ہوں تو وہ ویران ووحشت ناک قبر اور غیر آباد کھنڈرات ہیں چہ جائیکہ وہ عالیشان بنگلہ ہو، ذکر الہی اور نماز کے بغیر مکان شیطان کا ٹھکانہ

بن جاتا ہے اور اس کے مکین مردہ دل ہوتے ہیں اگر چہ وہ جسم کے اعتبار سے زندہ ہوں۔

مسلم گھرانے کی امتیازی صفت یہ ہے کہ اس کے افراد اطاعت وعبادت کے کاموں میں باہم تعاون کرتے ہیں، بیوی کے ایمان کی کمزوری شوہر دور کرتا ہے، بیوی کے طرز عمل کی خامیوں کی اصلاح شوہر کرتا ہے، وہ ایک دوسرے کے ذریعہ مکمل ہوتے ہیں، باہم دست وبازو بنتے ہیں، نصیحت اور ایک دوسرے کی مدد میں لگے رہتے ہیں، عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول اکرم ﷺ رات کو تہجد پڑھا کرتے جب وتر پڑھنے لگتے تو کہتے عائشہ! اٹھو اور وتر پڑھو۔ (أخرجہ مسلم) اور آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالی اس شخص پر رحم کرے جو رات کو اٹھتا ہے، خود بھی نماز پڑھتا ہے اور بیوی کو بھی (نماز کے لیے) جگاتا ہے، اگر وہ انکار کرتی ہے تو اس کے چہرے پر پانی چھڑک دیتا ہے، اللہ رحم کرے اس عورت پر جو رات کے پہر اٹھتی ہے، نماز پڑھتی ہے اور اپنے شوہر کو بھی جگاتی ہے، اگر وہ انکار کرتا ہے تو اس کے چہرے پر پانی چھڑک دیتی ہے۔ (ابوداود)

یہ دونوں حدیثیں بتلاتی ہیں کہ میاں بیوی میں سے ہر ایک کا دوسرے کی اصلاح میں اہم کردار ہوتا ہے۔

مسلم گھرانے کی بنیاد علم وعمل پر رکھی جاتی ہے، ایسا علم جو انہیں صراط مستقیم کا راستہ بتلاتا ہے اور جہنم کے راستوں کی نشاندہی کرتا ہے، ایسا علم جو طہارت کے آداب، نماز کے احکام، اجازت طلبی کے آداب، حلال وحرام سکھلاتا ہے، ایسا گھرانہ احکام دین سے نابلد نہیں رہ سکتا کیوں کہ وہ حلقۂ علم سے فیض یاب ہوتا رہتا ہے، ارشاد ہوا: (اے ایمان والو! خود کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ) (تحریم: ٦) یہ آیت اہل وعیال کی تعلیم وتربیت اور انہیں بھلائی کا حکم دینے، برائی سے روکنے کے سلسلے میں اہم دلیل ہے۔

مسلمان پر واجب ہے کہ اپنے اہل وعیال کو تعلیم دے، جیسا کہ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "علّموهم و أدّبوهم" انہیں تعلیم دو اور اب سکھلاؤ۔ قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا: ہم پر اپنی اولاد اور اہل وعیال کو دین وخیر کی تعلیم دینا اور ضروری ادب سکھانا ضروری ہے۔ مسلم گھرانے کی پہچان حیاداری ہے، اسی سے ایک گھر حملے کی تیروں اور شر کے وسائل سے اپنے وجود کی حفاظت کرتا ہے۔

اور کسی ایسے گھر کے لیے مناسب نہیں جس کی بنیاد تقوی پر رکھی گئی ہو اس کی حیا کی چادر چاک کی جائے۔

مسلم گھرانے کی علامت یہ ہے کہ اس کے راز محفوظ اور اختلافات پوشیدہ رہتے ہیں، نہ اسے افشا کیا جاتا ہے نہ اس کا احاطہ کیا جاتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں میں سب سے بدترین آدمی قیامت کے دن اللہ کے نزدیک وہ شخص ہوگا جو اپنی بیوی کے ساتھ رات گزارتا ہے اور اس کی بیوی اس کے ساتھ رات گزارتی ہے پھر اس کے راز کو فاش کر دیتا ہے''۔ (أخرجہ مسلم من حدیث أبی سعید الخدری)

ایک اسلامی گھرانہ معاشرے کے ساتھ اپنے تعلقات ایمان کی بنیاد پر قائم کرتا ہے، وہ اہل صلاح وتقوی کی زیارت

سے اپنا نور بڑھاتا ہے، مومن عطار کی طرح ہوتا ہے یا تو وہ تمہیں عطر دے گا یا تم اس سے خرید لو گے یا اس سے خوشبو پاؤ گے۔

﴿رب اغفر لي ولوالديّ ولمن دخل بيتي مؤمنا وللمؤمنين والمؤمنات ولا تزد الظالمين إلا تبارا﴾.

نوح علیہ السلام نے دعا کی اے میرے رب مجھے، میرے والدین اور جو بھی ایمان کی حالت میں میرے گھر میں داخل ہو اور مومن مردوں اور عورتوں کو معاف کر دے اور ظالموں کی تباہی ہی میں اضافہ کر۔

مسلم گھروں میں ایسے لوگ نہ داخل ہوں جن کا دین ناپسندیدہ ہو، کیوں کہ مفسد کا داخلہ فساد و بگاڑ کا باعث ہے اور مشکوک عناصر کا دخول جگر گوشوں کے لیے خطرے کا موجب ہے، انہی لوگوں کی وجہ سے گھروں میں اخلاق بگڑ گئے، جادو عام ہو گیا، چوریاں ہوئیں، خوشیاں ماتم میں بدل گئیں، بلکہ یہ لوگ خوش حال گھرانوں کو منہدم کرنے والے پھاوڑے ہیں۔

مسلم گھرانے میں نماز کی پابندی ہوتی ہے اور گھریلو کاموں کے سلسلے میں ان کا باہمی تعاون مضبوط ہوتا ہے، اس معاملے میں رسول اللہ ﷺ ہمارے لیے بہترین نمونہ ہیں، جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا کہ رسول اکرم ﷺ گھر میں کیا کرتے تھے؟ تو انھوں نے جواب دیا: وہ ایک انسان تھے اپنا کپڑا خود سی لیتے، بکری دوہ لیتے اور اپنا کام خود کرتے تھے۔ (اسے احمد نے روایت کیا)

ایک روایت میں ہے: آپ اہل وعیال کی خدمت میں لگے رہتے جب نماز کا وقت ہو جاتا اس کے لیے نکل پڑتے۔ (أخرجہ البخاری)

اگر ہم میں سے کسی سے کہا جائے کہ دنیا میں اس کی سب سے بڑی تمنا کیا ہے؟ تو اس کی طلب اور آرزو یہ ہوگی کہ اسے خوش حال زندگی مل جائے اور حقیقی سعادت وخوش حالی اس کے گھر کو حاصل ہو، مسلم گھرانے میں یہ خوش حالی پرکشش عمارت دیدہ زیب فرنیچر پرشکوہ لباس سے نہیں حاصل ہوسکتی بلکہ یہ سعادت مسلم گھرانے میں اس وقت حاصل ہوگی جب زوجین ظاہر و باطن اور خلوت وجلوت میں تقوی اور مراقبت الٰہی سے مزین ہوں گے۔

خوش حالی تب آئے گی جب میاں بیوی شادی کو عبادت سمجھیں گے اور ان میں سے ہر ایک ازدواجی فرائض کو اخلاص واتقان کے ساتھ بحسن وخوبی ادا کر کے اللہ کا تقرب حاصل کریں گے، انہی معانی کے زیر سایہ مسلم گھرانہ نماز وقرآن سے آباد رہے گا، اس پر محبت ومودت سایہ فگن رہے گی، نیک اولاد پروان چڑھے گی جو والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگی اور دنیا وآخرت میں خیر کا سرچشمہ ہوگی۔

☆☆☆

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سیرت
کا
ایک مختصر تحقیقی جائزہ

عبدالولی عبدالقوی/ داعی مکتب دعوۃ وتوعیۃ الجالیات، الحائط، سعودی عرب

عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے جگری دوست، رفیق غار، ہجرت کے ساتھی، خلیفہ اول ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دختر نیک اختر تھیں، ان کی کنیت ابوبکر اور نام عبداللہ بن ابوقحافہ تھا، ان کا سلسلہ نسب کعب بن مرۃ پر رسول اللہ ﷺ کے نسب سے جا ملتا ہے، وہ ایک پاکیزہ فطرت اور سلیم الطبع شخص تھے، دور جاہلیت کے خصال رذیلہ سے انھیں اسلام سے پہلے ہی نفرت تھی، انھوں نے کبھی کسی بت کو سجدہ کیا نہ کبھی زنا کاری کے قریب گئے نہ کبھی شراب پیا۔ (تاریخ الخلفاء للسیوطی ص ۴۸)

یہ مردوں میں پہلے شخص تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے جسے بھی اسلام کی دعوت دی وہ پہلے تردد کا شکار ہوا سوائے ابوبکر کے کہ انھوں نے بلا تردد میری دعوت پر لبیک کہا''۔ (دیکھئے: البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ۱/ ۱۲۱، تاریخ دمشق لابن عساکر ۳۰/ ۱۲۸)

رسول اللہ ﷺ نے انھیں ''عتیق'' اور ان کی کثرت تصدیق کی وجہ سے ''صدیق'' کا لقب عنایت فرمایا، بعض لوگ انھیں ان کی نرم دلی اور خشیت الٰہی سے بکثرت آہ وبکا کی وجہ سے ''اواہ'' کا لقب بھی دیتے تھے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ اپنے ہمراہ ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کو لے کر احد پہاڑ پر چڑھے، تو احد کانپ اٹھا، آپ ﷺ نے فرمایا: احد ٹھہر جاؤ تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔ (بخاری ۳۶۷۵، مسلم ۶۴۰۰)

صدیق سے مراد ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دو شہیدوں سے مراد عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما تھے، یہ ایک معجزانہ پیشین گوئی تھی جو اپنے وقت پر پوری اتری، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما ہر دو نے جام شہادت نوش فرمایا۔

عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: خوش ہو جاؤ تم اللہ کے ''عتیق'' جہنم سے آزاد کردہ ہو، لہذا اس دن سے ان کا نام ''عتیق'' پڑ گیا۔ (ترمذی ۳۶۷۹، اس کی سند صحیح ہے، دیکھئے: صحیح الترمذی ۳/ ۲۰۳)

ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک عظیم قدر ومنزلت کے حامل تھے، قوم میں ان کا اونچا مقام تھا ان کے اعلی اخلاق کی وجہ سے لوگ ان سے محبت کرتے اور اپنے درپیش مسائل ان کے پاس لے کر آتے تھے۔

رجب سن ۱۰ نبوی میں جب آپ ﷺ کے چچا ابوطالب کا انتقال ہوگیا تو نبی ﷺ اور آپ کے رفقاء پر اہل مکہ کے ظلم وجور اور ستم رانیوں میں اضافہ ہوگیا یہاں تک کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ مکہ چھوڑنے پر مجبور ہوگئے اور حبشہ کے ارادہ سے تن تنہا نکل پڑے، ابھی برک غماد پہنچے تھے کہ ابن دغنہ سے ملاقات ہوگئی.....اس نے کہا: ''ابوبکر! آپ جیسے شخص کو اپنے وطن سے نہ خود نکلنا چاہئے اور نہ اسے نکالا جانا چاہئے آپ تہی دستوں کا بندوبست کرتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں، درماندوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور مصائب حق پر اعانت کرتے ہیں....''۔ (بخاری ۳۹۰۵)

ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک مالدار شخص تھے راہ الٰہی میں ہمہ وقت اپنے مال کو خرچ کرتے یہاں تک کہ سخاوت وفیاضی میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا، اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے: ''جس قدر ابوبکر کے مال سے مجھے نفع پہنچا اتنا کسی اور کے مال سے نہ پہنچا''۔ (ترمذی ۴۰۲۲ براویت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ، البانی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے دیکھئے: صحیح الترمذی ۳/۲۰۰)

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا، اس موقع پر میرے پاس بھی مال تھا، چنانچہ میں نے (دل میں) کہا: اگر میں ابوبکر سے سبقت لینا چاہوں تو آج لے سکتا ہوں، چنانچہ میں اپنا آدھا مال آپ ﷺ کی خدمت میں لے کر آیا، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: تم نے اپنے گھر والوں کے لئے کیا باقی چھوڑا ہے؟ میں نے کہا: اسی قدر چھوڑ آیا ہوں، پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنا کل مال رسول اللہ ﷺ کے پاس لے کر آئے، رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: تم نے اپنے گھر والوں کے لئے کیا باقی چھوڑا ہے؟ کہا: میں نے ان کے لئے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑا ہے، (عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) تب مجھے کہنا پڑا: میں کسی شے میں کبھی بھی ان سے نہیں بڑھ سکتا۔ (ابوداؤد ۱۶۸۰، تحقیق الالبانی (حدیث حسن) دیکھئے: صحیح ابوداؤد ۵/۳۶۶)

ابوبکر رضی اللہ عنہ انساب کے عالم تھے، عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قریش میں سب سے زیادہ نسب کا علم رکھنے والے ابوبکر ہیں۔ (مسلم ۵۶۵۰)

ام رومان عائشہ رضی اللہ عنہا کی ماں تھیں، ان کا نام زینب یا دعد بنت عامر بن عویمر تھا، ان کے پہلے شوہر عبداللہ بن حارث الازدی کے انتقال کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دور جاہلیت میں ان سے شادی کی تھی، ان کے بطن سے دو بچے عبد الرحمٰن اور عائشہ پیدا ہوئے، ام رومان پہلے اسلام قبول کرنے والی خواتین میں سے تھیں، انھوں نے مکہ مکرمہ میں اسلام قبول کیا اور رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر کے خانوادے کے ساتھ مدینہ منورۃ ہجرت کی۔ (الطبقات الکبری لابن سعد ۸/۲۷۶، تاریخ طبری ۳/۲۴۶، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب لابن عبدالبر ۴/۱۹۳۵)

ام رومان رضی اللہ عنہا مشرف باسلام ہونے کے بعد برابر اپنے شوہر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نصرت وحمایت کرتی رہیں اور ہر غم واندوہ میں ان کے لئے سہارا بنتی رہیں یہاں تک کہ سن ۶ ہجری میں اس دار فانی سے کوچ کر گئیں، رسول اللہ ﷺ

بنفس نفیس ان کی قبر میں اترے اور ان کے لئے یہ کہتے ہوئے دعائے مغفرت کی: اے اللہ ام رومان نے تیری راہ میں اللہ و رسول کی خاطر جو مشقتیں اٹھائی ہیں ان سے تو آگاہ ہے۔ (الکامل لابن الاثیر ۲/۵۲، الروض الانف ۴/۲۲)

لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی ترجیح کے مطابق ام رومان رضی اللہ عنہا کا انتقال سن ۹ ہجری کے بعد ہوا، اس لئے کہ واقعہ تخییر سن ۹ ہجری میں پیش آیا اور اس وقت ام رومان بقید حیات تھیں جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ پر آیت تخییر نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے سب سے پہلے مجھ سے شروع کیا، فرمایا:

"انی ذاکر لک أمرا فلا علیک أن لا تعجلی حتی تستأمری أبویک" میں تم سے ایک بات کہنے والا ہوں تم اپنی جانب سے کوئی جلد بازی نہ کرنا یہاں تک کہ اپنے والدین سے مشورہ کر لینا۔

یہ روایت دلیل ہے کہ اس وقت ام رومان زندہ تھیں اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو ماں باپ دونوں سے مشورہ کرنے کے لئے کہا، لہذا مختلف فیہ اقوال میں صحیح یہی ہے کہ ام رومان کا انتقال سن ۹ ہجری کے بعد ہوا۔ (ملاحظہ ہو: فتح الباری ۸/۵۲۱، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ۴/۴۵۲)

عائشہ رضی اللہ عنہا کی پیدائش ایمان و عمل سے معمور گھرانے میں بعثت نبوی کے چار سال یا بعض اہل علم کے قول کے مطابق ۵ سال بعد مکہ مکرمہ میں ہوئی، ان کی تربیت مسلمان ماں باپ کے ہاتھوں اسلامی ماحول میں ہوئی، انھوں نے اپنے گھر میں مشرکانہ عقائد و افعال کبھی نہ دیکھے، اس لئے ان کی فکر دور جاہلیت کے باطل افکار و خیالات سے بالکل پاک صاف ستھری تھی، عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: "لم أعقل أبوی الا و هما یدینان الدین" جب سے میں نے ہوش سنبھالا اپنے والدین کو دین اسلام پر چلتے ہوئے پایا۔ (بخاری ۴۶۴، سیر اعلام النبلاء ۲/۱۳۹)

چوں کہ عرب کے شہری باشندوں کا دستور تھا کہ اپنے بچوں کو شہری امراض سے دور رکھنے کے لئے دودھ پلانے والی بدوی عورتوں کے حوالہ کر دیا کرتے تھے تا کہ ان کے جسم طاقتور اور اعصاب مضبوط ہوں اور بچپن ہی سے ٹھوس عربی زبان سیکھ لیں، اسی دستور کے مطابق عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی ابو القعیس کی بیوی کے پاس رضاعت کے لئے بھیج دیا گیا۔ (الاصابۃ لابن حجر ۸/۲۸۷)

عائشہ رضی اللہ عنہا متعدد القاب سے پکاری جاتی تھیں جو ان کی قدر و منزلت کے غماز تھے، رسول اللہ ﷺ فرط محبت میں انھیں کبھی یا عائش کبھی یا بنت الصدیق کبھی یا حمیراء کہہ کر پکارتے تھے، صدیقہ بھی آپ کا لقب تھا اور اللہ کا دیا گیا لقب ام المؤمنین تھا۔

عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: اے عائش جبرئیل تم کو سلام کہہ رہے ہیں۔ (بخاری ۳۷۶۸)

عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ﴿ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ .....﴾ (وہ لوگ کہ وہ جو کچھ بھی اعمال کر لیتے ہیں لیکن ان کے دل خوف زدہ رہتے ہیں.....) تو میں نے پوچھا کہ ڈرنے والے کون ہیں؟ وہ جو شراب پیتے، بدکاریاں کرتے اور چوریاں کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، اے صدیق کی بیٹی! بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو نماز پڑھتے، روزہ رکھتے اور صدقہ وخیرات کرتے ہیں لیکن ڈرتے رہتے ہیں کہ یہ اعمال نامقبول نہ ٹھہریں۔ (ترمذی ۳۱۷۵، تحقیق الالبانی (حدیث صحیح) دیکھئے: صحیح الترمذی ۳/ ۷۹)

عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک بار حبشہ کے لوگ مسجد میں کھیل رہے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے حمیراء! کیا تم یہ کھیل دیکھنا چاہ رہی ہو.....۔ (سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ ۷/ ۸۱۷)

جب مسروق رحمہ اللہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کوئی روایت نقل کرتے تو کہتے: " حدثتنی الصديقة بنت الصديق حبيبة حبيب الله المبرأة" مجھ سے صدیق کی بیٹی صدیقہ، اللہ کے حبیب کی حبیبہ نے بیان کیا جن کی براءت آسمان سے نازل ہوئی۔ (مسند احمد ۲۶۰۸۶)

اللہ نے زوجات رسول ﷺ کو مومنوں کی ماں ہونے کا لقب عنایت فرمایا، چنانچہ فرمایا:

﴿النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ....﴾ (الاحزاب:۶)

پیغمبر مومنوں پر خود ان سے بھی زیادہ حق رکھنے والے ہیں اور پیغمبر کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کی کنیت ام عبداللہ تھی، عروہ بیان کرتے ہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا: اے نبی ﷺ! میری سہیلیوں کی کنیتیں ہیں، لہذا میری بھی کنیت رکھ دیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنی بہن اسماء کے بیٹے عبد اللہ بن زبیر کی جانب اپنی نسبت کرتے ہوئے اپنی کنیت ام عبداللہ رکھ لو، لہذا عائشہ رضی اللہ عنہا اسی کنیت سے پکاری جاتی تھیں یہاں تک کہ اس دار فانی سے کوچ کر گئیں۔ (ابوداؤد ۴۹۷۰، اس کی سند صحیح ہے، دیکھئے: البدر المنیر لابن الملقن ۹/ ۳۴۳، المجموع للنووی ۸/ ۴۳۸)

اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ایک بچہ ساقط ہوا تھا جس کی بنا پر آپ کی کنیت ام عبداللہ تھی تو یہ بات صحیح دلائل سے ثابت نہیں ہے۔ (ملاحظہ ہو: جلاء الافہام لابن القیم ۲۴۱، الاصابۃ لابن حجر ۲/ ۲۳۲)

(جاری)

☆☆☆

تصویبات واستدراکات

کتاب تراجم علمائے حدیث ہند

تراجم علمائے حدیث ہند مصنفہ مولانا ابو یحیٰ امام خاں نوشہروی (متوفی ۱۳۸۵ھ=۱۹۶۶ء) مشہور زمانہ کتاب ہے جو ۲۰۰/اہل حدیث علماء ومصنفین کی حیات وخدمات کا احاطہ کرتی ہے۔ یہ کتاب پہلی بار جید برقی پریس دہلی میں ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۹۳۷ء میں منظر عام پر آئی جو چھوٹی سائز کے تقریباً پونے چھ سو صفحے پر مشتمل تھی۔

جامعہ سلفیہ بنارس میں کتاب کے طبع اول کا جو نسخہ موجود ہے اس پر مختلف حضرات کی جابجا تصحیحات واستدراکات موجود ہیں، جن میں بعض مقامات پر محشی ومصحح کے نام کی صراحت ہے تو کہیں صرف نسبت یا شہریت لکھنے پر اکتفا کیا گیا ہے، بیشتر مقامات محشی ومصحح کے تذکرے سے خالی ہیں جیسا کہ قارئین سطور ذیل میں مشاہدہ کریں گے۔ ان تصویبات میں سے اکثر فنی وتاریخی اعتبار سے اہمیت کی حامل ہیں اس لیے ان کو یکجا کر کے شائع کر دینا مناسب معلوم ہوا۔ اس جمع وترتیب کا محرک یہ بنا کہ خبر ملی کہ محسن جماعت مولانا عارف جاوید محمدی حفظہ اللہ کتاب کی از سر نو اشاعت کا پروگرام بنا رہے ہیں اور ان کی خواہش ہے کہ حتی الامکان اغلاط سے پاک ایڈیشن منظر عام پر لایا جائے۔ چونکہ کتاب کے مراجعے کی مجھے وقتاً فوقتاً ضرورت پڑتی رہتی ہے اس لیے مجھے اس میں مندرج حواشی وتصحیحات سے بھی مستفید ہونے کا موقع ملتا ہے۔ لہذا جب محمدی صاحب کے پروگرام کا علم ہوا تو میں نے ان ساری معلومات کو یکجا کر دیا تاکہ آنے والے ایڈیشن کی تصحیح میں ان معلومات سے استفادہ کیا جا سکے۔

واضح رہے کہ یہ محض جمع وترتیب کا عمل ہے جو ان معلومات کی صحت کی ضمانت اور ان کی تصویب کو مستلزم نہیں، اگرچہ تنقید واستدراک کی غرض سے درج کی گئی ان معلومات کا درست ہونا ہی اصل ہے، پھر بھی سہو ونسیان سے براءت کا دعویٰ کیسے کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے کتاب کی اشاعت سے پہلے ان معلومات کی صحت کا جائزہ لینا مناسب ہے۔ امید کہ ناشر کتاب اس پر توجہ دیں گے۔ ظن غالب ہے کہ محترم محمدی صاحب کو کچھ اور علم دوست حضرات کی طرف سے بھی اس نوعیت کا کچھ مواد موصول ہوا ہوگا اور کتاب کی تصحیح میں ان تمام سے استفادہ کر کے صحیح ترین نسخہ منظر عام پر لانے کی سعادت ان کو حاصل ہوگی۔ واللّٰہ لا یضیع أجر المحسنین.

اسعد اعظمی

تصویبات واستدراکات

۱- ص ۶۴ شاہ عبدالقادر محدث: سنہ وفات ۱۲۴۲ھ غلط ہے، صحیح ۱۲۳۰ھ ہے۔

۲- ص ۶۵ شاہ رفیع الدین محدث: سنہ وفات ۱۲۴۹ھ غلط ہے، صحیح ۱۲۳۳ھ ہے۔

۳- ص ۱۶۶ حافظ عبدالجبار عمر پوری: ''نیز رسالہ ضیاء السنۃ کلکتہ کے بھی آپ ہی ایڈیٹر رہے''

تعلیق: ضیاءالسنۃ کے ایڈیٹر مولانا ضیاءالرحمٰن عمرپوری تھے(۱)،مولانا عبدالجبار عمرپوری نے ''تبلیغ''،جبل پور کی ادارت کی ہے۔

۴- ص۱۷۴ مولانا احمداللہ شیخ الحدیث: متوفی ۱۳۶۳ھ

۵- ص۲۰۱ ضیاءالرحمٰن بن بدرالدین عمرپوری: برسوں رسالہ ضیاءالسنۃ (ماہانہ) نکالا۔

تعلیق۱: ذی قعدہ ۱۳۱۹ھ سے۔

تعلیق۲: اچھے شاعر تھے،ضیاءالسنۃ کے شروع میں کئی کئی صفحہ مختلف عناوین پر اشعار کہہ ڈالتے تھے۔

۶- ص۲۵۶ ابوالبشار امیر احمد بن عزیز احمد قریشی،

سنہ وفات سے متعلق تعلیق: مگر میں نے ان کی تحریر دیکھی ہے جس سے اس کے کافی بعد تک زندہ رہنا ثابت ہے،انہوں نے ۱۹۴۵ء میں اپنی کتاب غیر مطبوع توضیح لغات القرآن پر نظر ثانی کی ہے، یہ میاں صاحب کے شاگرد تھے، میں نے سند دیکھی ہے۔۱۳۱۸ھ میں سند لی ہے۔نیپالی

۷- ص۲۷۰ السید النواب اولاد حسن.....صفحہ مذکور پر دوسرے پیراگراف میں ہے''اور طلب علم میں آخری سفر ۱۲۱۳ھ میں دہلی کا کیا''۔

تعلیق:۱۲۳۳ھ صحیح ہے، دیکھیے ابجدالعلوم: ج۳ص۹۳۵

۸- ص۲۹۸ مصنفات والا جاہ میں نیل المرام عربی میں ہے نہ کہ فارسی میں (۲)

۹- ص۲۹۹ مصنفات والا جاہ میں مثیر ساکن الغرام الی روضۃ دارالسلام صحیح ''روضات''

۱۰- ص۳۰۰ مصنفات والا جاہ میں یقظۃ اولی الاعتبار فیما ورد من ذکر اھل النار صحیح.....فیما ورد من ذکر النار واھل النار

۱۱- ص۳۰۰ مصنفات والا جاہ میں منہج الوصول الی اصطلاح حدیث الرسول فارسی نہ کہ عربی

۱۲- ص۳۰۲ مصنفات والا جاہ میں دلیل الطالب الی ارجح المطالب فارسی نہ کہ اردو

۱۳- ص۳۰۴ مصنفات والا جاہ میں بلوغ السؤل من اقضیۃ الرسول عربی نہ کہ فارسی

۱۴- ص۳۰۴ مصنفات والا جاہ میں الطریق المثلی.....واتباع ماھوالھوی .....واتباع ماھوالھدی

۱۵- ص۳۰۵ مصنفات والا جاہ میں رحلۃ الصدیق الی البیت العتیق عربی نہ کہ اردو

۱۶- ص۳۰۵ مصنفات والا جاہ میں لقطۃ العجلان..... عربی نہ کہ فارسی

۱۷- ص۳۰۷ مصنفات والا جاہ میں صافیہ شرح کافیہ شرح شافیہ

(۱) اس کی تصدیق خود مولانا نوشہروی کے کلام سے ہوتی ہے کیوں کہ آگے ص۲۰۰ پر مولانا ضیاءالرحمٰن عمرپوری کے حالات میں نوشہروی صاحب لکھتے ہیں: ''برسوں رسالہ ضیاءالسنۃ (ماہانہ) نکالا''۔(اعظمی)

(۲) اسی کے معابعد ''تفسیر الکل بتفسیر الفاتحۃ والکل'' نامی کتاب درج ہے اور اس کی زبان فارسی بتلائی گئی ہے، یہاں دو ملاحظے ہیں:

۱- کتاب کا صحیح نام: ''تذکیر الکل بتفسیر الفاتحۃ وأربع قل'' ہے۔

۲- یہ کتاب اردو میں ہے نہ کہ فارسی میں۔ (اعظمی)

۱۸- ص۳۰۷　مصنفات والا جاہ میں　السحاب المرکوم......　(ابجد العلوم کا دوسرا حصہ)

۱۹- ص۳۰۷　مصنفات والا جاہ میں　نشوۃ السکران......　عربی نہ کہ فارسی

۲۰- ص۳۰۸　مصنفات والا جاہ میں　الوشی المرقوم......　(ابجد العلوم کا پہلا حصہ)

۲۱- ص۳۰۹　مصنفات والا جاہ میں　ضالۃ الناشد الغریب من بشری الکئیب　(المسمی بتانیس الغریب)

۲۲- ص۳۱۱　مصنفات والا جاہ میں　اضافہ: فن: تاریخ، زبان: فارسی　تاریخ قنوج (قلمی)

۲۳- ص۳۲۹　بشیر الدین محدث: متوفی ۱۲۷۳ھ
تعلیق: ۱۲۹۶ھ

۲۴- ص۳۳۴　شاہ محمد فاخر زائر: وفات ۱۱۶۴ھ، اس پر سوالیہ نشان لگا ہے۔

۲۵- ص۳۵۱　سید نذیر الدین احمد جعفری ہاشمی ''درسیات کا اکثر حصہ شیخ عبدالحق ممدوح......''۔

تعلیق: ناظرین غور فرمالیں کہ شیخ عبدالحق کی وفات کا سن ۱۲۸۶ھ ہے اور صاحب ترجمہ کی ولادت ۱۲۸۴ھ میں ہوئی، کیا کوئی شخص دو سال کی عمر میں کسی کا شاگرد اور وہ بھی درسیات کا اکثر حصہ کسی کے ہاں پڑھ سکتا ہے، نہیں ہرگز نہیں۔ عالیاوی

۲۶- ص۳۵۵　محمد سعید

تصانیف میں اضافہ: دیگر تصانیف کے نام یہ ہیں: الجرح علی ابی حنیفہ، جواب الکلام المبین، جواب جامع الشواھد، جواب اوثق العری۔

۲۷- ص۴۰۰　عبدالسلام مبارکپوری: آخری پیراگراف بہ سلسلہ اولاد
تعلیق: بڑے لڑکے مولانا حافظ عبدالعزیز تھے۔

۲۸- ص۴۱۰　حکیم محمد بشیر بن عبدالمجید:　وفات یکم صفر ۱۳۸۸ھ=۳۰/مئی ۱۹۶۸ء

۲۹- ص۴۱۴　مئو مولانا فیض اللہ علیہ الرحمۃ　(المتوفی ۱۳/ربیع الاول ۱۳۱۶ھ)

تعلیق: یہ تاریخ وفات بالکل غلط ہے۔ صحیح ۱۳/ربیع الثانی ۱۳۰۶ھ ہے جیسا کہ موصوف کے شاگرد رشید جناب مولانا ابوالمعالی محمد علی فیضی صاحب نے اپنی قلمی بیاض میں جو بیاض فیضی کے نام سے مشہور ہے نقل کیا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو معارف اکتوبر ۱۹۷۸ء ص۳۰۷۔ بیاض میں ایک مصرعہ کے اندر مادہ تاریخ وفات ہے:

''محدث متقی صدیق''　　عقیل احمد اعظمی

۱۳۰۶ھ

۳۰- ص۴۱۷　محمد فیض اللہ

تعلیق: صحیح تاریخ وفات ۱۳/ربیع الثانی ۱۳۰۶ھ ہے۔ بیاض فیضی قلمی ومعارف اکتوبر ۱۹۷۸ء، نیز سفرنامہ حج ملاحظہ کیجیے۔ ''محدث متقی صدیق'' ۱۳۰۶ھ یہ مادہ تاریخ وفات ہے جس کے عدد ۱۳۰۶ھ ہوتے ہیں۔　عقیل احمد اعظمی

۳۱- ص۴۲۰ سلیم اللہ متوفی ۱۹۰۶ء
تعلیق:۱۹۱۶ء

۳۲- ص۴۲۹ احمد بن ملا حسام الدین ص۴۲۹ آخری سطر میں ''میاں عطاء الرحمٰن ابھی کم سن ہیں''۔
تعلیق میں عطاء الرحمٰن کی جگہ عزیز الرحمٰن درج ہے۔

۳۳- ص۴۳۰ سلیمان بن داود مدرسہ بونڑھیار، ضلع بستی
تعلیق: ضلع گونڈہ

۳۴- ص۴۳۰ ابوالفیاض نور محمد بن محمد بن اسماعیل سن ولادت (تقریباً) ۱۲۷۳ھ
تعلیق: ۱۲۷۳ھ

۳۵- ص۴۳۲ عبداللہ (شائق) ..... یہ فراغ کلی ۱۳۳۱ھ میں ہوا۔ اس پر سوالیہ نشان لگا ہے۔

۳۶- ص۴۳۵ ابوالنعمان عبدالرحمٰن آزاد متوفی محرم ۱۳۵۷ھ

۳۷- ص۴۳۸ عبدالجبار بن حاجی سعید الدین ولادت ۱۳۲۹ھ

۳۸- ص۴۳۹ محمد بن عبدالرحیم..... ولادت ۱۳۱۱ھ

۳۹- ص۴۴۲ محمد نعمت اللہ بن حافظ نور محمد ولادت ۱۳۱۷ھ

۴۰- ص۴۵۲ حافظ عبدالرحمٰن بقا
تعلیق: بقا نہیں بلکہ وفا صحیح ہے۔

۴۱- ص۴۶۷ عبدالغفور متوفی ۱۵ رمئی ۱۹۷۹ء

۴۲- ص۴۶۸ عبدالصمد بن سلطان متوفی ۱۹۳۸ء

۴۳- ص۴۶۸ عبدالرحیم بن کرم اللہ سکونت ومولد موضع گلریہہ ہے۔
تعلیق: دوسرا نام حسن پور

۴۴- ص۴۷۰ عبدالسلام (بن یادعلی) ۶ رفروری ۱۹۷۴ء

۴۵- ص۴۷۱ حکیم عبدالحق بن عبدالوہاب ولادت ۱۹۱۶ء، وفات ۱۴ راکتوبر ۱۹۷۶ء

۴۶- ص۴۸۱ محمد یوسف شمس وفات ۱۳۵۷ھ

۴۷- ص۴۸۷ علمائے رام پور (مرحومین) اضافہ: حاجی محمد سعید تلمیذ شاہ ولی اللہ

۴۸- ص۵۰۱ ملانواب ص۵۰۱ کے آخری پیراگراف کا حوالہ، تذکرہ کاملان رام پور، ص:۴۲۲-۴۲۴

۴۹- ص۵۰۲ سید مفتی بشیر الدین شافعی مذہب تھے۔ تذکرہ کاملان رام پور ص۸۳

۵۰- ص۵۰۳ جعفر علی خان ابن مولوی اکبر علی خان مولوی اکبر علی عامل بالحدیث تھے۔ ٹانڈہ میں ان کی وجہ سے اہل حدیث اور نمازی پیدا ہوئے۔ لوگ ان کو وہابی کہتے تھے۔ تفصیل دیکھیے: تذکرہ کاملان رام پور، ص۴۹ تا ۵۱۔ نیپالی ☆

ذرائع ابلاغ میں تعمیری صحافت کا کردار

مولانا عبدالمبین ندوی (نائب مدیر ''ترجمان جدید'' دہلی)

اس وقت جدید وسائل نشر واشاعت میں ذرائع ابلاغ کی کس قدر اہمیت ہے اور اس کے کس قدر دوررس اثرات ہیں اس سے کسی کو انکار نہیں۔ کیونکہ یہ ذرائع ابلاغ ہی ہیں کہ جنہوں نے ہر دور میں قوم کا مزاج بنانے اور بگاڑنے میں اہم رول ادا کیا ہے اور قوم کی اکثریت انہیں چیزوں سے رہنمائی حاصل کرتی ہے۔ آج ان وسائل کا دائرہ ماضی کے مقابلہ میں کہیں زیادہ وسیع ہوا ہے۔ یہ ہر لمحہ کی خبروں کو دوسروں تک بڑی تیزی سے منتقل کرتے ہیں جن سے وسیع وعریض دنیا کا دائرہ جدید ٹکنالوجی کے عہد میں سمٹ کر ایک خاندان اور کنبہ کی طرح ہوگیا ہے۔ جس طرح یہ ذرائع سریع الانتقال ہیں اسی طرح ان کے اثرات بھی زود اثر ہیں ان وسائل میں اخبارات، جرائد، مجلّات، ریڈیو، ٹیلی ویژن تو بہت مشہور اور عام ہیں لیکن بعض ذرائع مثلاً فون، فیکس، برقی تار، وائرلیس، پیجر، موبائل، سٹیلائٹ، مصنوعی سارچہ، کمپیوٹر، انٹرنیٹ واٹس اپ Messaging وغیرہ جدید آلات ہیں جو موجودہ حالات میں بہت استعمال ہو رہے ہیں۔ اسی طرح مختلف میٹنگیں اور کانفرنسیں بھی پیغام رسانی کا موثر ذریعہ ہیں۔ ان کے علاوہ ملکوں کے سفراء، تنظیموں کے مندوب، اداروں کے نمائندے، اپنے اپنے ملکوں واداروں کے مفادات کے نہ صرف محافظ وترجمان ہوتے ہیں بلکہ پیغام رسانی میں معتبر وموثر کردار ادا کرتے ہیں۔

صحافت کیا ہے؟:

اس مختصر تحریر میں ہم یہ اشارہ کریں گے کہ تعمیری صحافت کسے کہتے ہیں اور قومی وملی وملکی تعمیر نیز افراد وجماعات کے مزاج کی تعمیر میں کیا کردار ادا کرتی ہے۔ چنانچہ صحافت صحیفہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی لکھا ہوا کاغذ، اور ''صحافت'' اخبار نویسی کو کہتے ہیں اور صحافی اخبار لکھنے والا۔ صحافت کا پاور کتنا ہے؟ اس سلسلے میں لوگوں کا خیال ہے کہ یہ بم وبندوق سے بھی زیادہ زود اثر ہے، بقول شخصے: ہو توپ سامنے تو اخبار نکالو۔

مسٹر محمد علی جناح نے صحافیوں سے ۱۹۴۴ء میں گفتگو کرتے ہوئے کہا تھا ''صحافت ایک بڑی قوت ہے جو فائدہ بھی پہنچا سکتی ہے اور نقصان بھی۔ اگر یہ ٹھیک نہج پر ہو تو رائے عامہ کی رہنمائی بھی کرسکتی ہے۔ اس لئے صحافت کسی بھی قوم کی ترقی وبہبود کے لئے اشد ضروری ہے کیونکہ اسی کے ذریعہ زندگی کے تمام شعبوں میں سرگرمیاں بڑھانے کے لئے قوم کی رہنمائی اور رائے عامہ کی تشکیل کی جاسکتی ہے۔ جس طرح شب دیجور میں راستے کے خطرات اور نشیب وفراز سے بچنے کے لئے چراغ کی ضرورت پڑتی ہے بعینہ قافلۂ حیات کے سفر کو بے خطر طے کرنے کے لئے گردوپیش کے حالات سے معتبر آگاہی کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس ضرورت کی تکمیل مثبت صحافت سے ہوتی ہے۔ اس لئے صحافی کا ذہن تعمیری ومثبت انداز فکر کا ہونا چاہئے۔ کیونکہ

صحافت دودھاری تلوار کے مانند ہے اگر اسے غلط مقاصد کے لئے استعمال کیا گیا جیسا کہ اس وقت غیر معیاری صحافت کا عام رواج ہے جس سے قوم کا مزاج بننے کے بجائے فساد وتخریب کی طرف مائل ہورہا ہے تو یہ اس کا انتہائی گھٹیا اور غلط استعمال ہے جبکہ صحافت کا مقصد صحیح ادب کی ترویج، صالح معاشرہ کی تشکیل ہونا چاہئے۔ اور وہ دعوت انسانی کے بغیر ممکن نہیں۔

اسی لئے ترقی یافتہ ممالک نے صحافت کی افادیت وز وداثری کو نہ صرف سمجھا بلکہ اس کی ترقی وترویج کے لئے دل کھول کر سرمایہ کاری کی۔ اس کے ذریعہ جہاں انہوں نے اپنی سامراجی مفادات کو بروئے کار لاکر کمال ہوشیاری سے پسماندہ و افلاس زدہ قوموں کا خوب استحصال کیا، وہیں حقوق انسانی پر ڈاکہ ڈالنے کا یہ عمل بدستور جاری ہے۔ کیونکہ اس خطرناک ہتھیار سے وہ جنگ جیتی جاسکتی ہے جو بڑی سی بڑی فوج سے ممکن نہیں۔ موجودہ دور میں صحافت کے اس عمل کو جنگ کے نام سے پکارا جاتا ہے جو تیر وتفنگ کے بجائے ذرائع ابلاغ (غزوفکری) سے لڑی جاتی ہے اور جس کا مقصد عالم گیریت ہوگیا ہے۔

تاریخ صحافت:

عام صحافت کی تاریخ پر جب ہم نگاہ ڈالتے ہیں تو اس کی تاریخ بہت پرانی ملتی ہے یعنی جب سے حضرت ابن آدم کا روئے زمین پر وجود وظہور ہوا تو اسی وقت سے خبروں کی ترسیل بھی شروع ہوئی جو ہر دور میں کسی نہ کسی شکل میں موجود رہی۔ اس وقت جب کہ وسائل نشر واشاعت معدوم تھے، بادشاہان وقت یا قوم کے سردار اپنے ہرکارے مقرر کرکے اپنی خبریں دوسروں تک پہنچاتے، یا مقرر کئے ہوئے عملہ کی مہیا کی ہوئی اطلاعات کی روشنی میں عملی اقدامات کرتے۔ یہ اطلاعات مختلف حکومتی اغراض وعوامی مفاد اور ان کی دلچسپی کی خاطر ہوتیں۔ اسلام سے قبل ایران کے بادشاہ اپنی مملکت کے مختلف حصوں میں خبریں مہیا کرنے کے لئے جو وقائع نگار متعین کرتے وہی بعد میں پرچہ نویس اور اخبار نویس کہلانے لگے۔ حالات سے باخبری کا یہ سلسلہ اسلامی دور میں خلفاء، سفراء، امراء، کے ذریعہ انجام پایا جانے لگا۔ حضرت عمر فاروقؓ خود راتوں کو گشت لگا کر عامۃ الناس کے صحیح حالات جاننے کی بھرپور کوشش کرتے۔ اور اس سے مطلع ہوکر مظلوم کی دادرسی، بیمار کی عیادت، محتاجوں کی مالی اعانت کرنے کے لئے ہر قسم کے ذرائع استعمال کرتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نادر خدمت:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رات کے وقت گشت لگا کر رعایا کی خبر گیری کرنے کا ایک واقعہ بہت مشہور ہے جب کہ ایک مسکین بیوہ عورت اپنے بلکتے بچوں کو ہانڈی میں پانی وکنکری ابال کر بہلانے میں مصروف تھی کہ وہ سوجائیں کیونکہ اس کے پاس کوئی کمانے والا نہ تھا کہ وہ راشن اور کھانے پینے کا انتظام کرتا۔ حالت دریافت کرنے پر جب حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو اپنی پیٹھ پر راشن کا سامان لاد کر اس بڑھیا تک پہنچادیا۔ یہ اسی تعمیری صحافت اور خدمت خلق کی ایک زندہ ونادر مثال ہے۔

جب ہم ماضی قریب پر نگاہ ڈالتے ہیں تو مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد اخبار وصحافت سے وابستہ لوگوں نے بتدریج اس کو حصول معاش کا ذریعہ بنا کر امراء اور رؤسا کو معاوضہ پر قلمی اخباروں کی نقلیں فراہم کرنا شروع کردیں۔ اس دوران میں

طباعت کی سہولتیں عام ہوتی گئیں اور انگریزی اخبارات کی طرز پر اردو اخبارات بھی چھپنے لگے۔ پچھلی صدی میں مشین اور جدید ذرائع اس قدر بڑھ گئے کہ ان کے طفیل دنیا کے مختلف ملکوں اور قوموں کے درمیان قریبی رابطے قائم ہوئے۔ زمینی رابطے ریل اور بسوں کے ذریعہ اور فضائی راستے ہوائی جہازوں کے ذریعہ نیز سمندری راستہ کشتی رانی کے ذریعہ جس کے دوش پر سوار ہوکر واسکوڈ گاما نے ہندوستان کی ڈسکوری کی تھی۔ غرض جب سارے راستے مضبوطی سے قائم ہوگئے تو ٹیلیفون، تار برقی، ہوائی جہاز، اور لاسلکی مواصلاتی سہولتوں میں اضافہ ہونے کے ساتھ ساتھ خبروں کی فراہمی کے نظام میں بھی زبردست انقلاب رونما ہوتا گیا۔

صحافت کے اثرات:

اب چونکہ جدید سائنس اور ٹیکنالوجی میں یورپ اور امریکہ سب سے آگے ہیں اس لئے لازمی طور پر فن صحافت میں بھی وہ سب سے آگے ہیں۔ اس لئے صحافت کی چھاپ اور اس کے اثرات بھی عالمی صحافت پر نمایاں ہیں۔ صحافت جس کو ''جرنلزم'' کہتے ہیں جو وقفے وقفے سے شائع ہونے والے اخبار ورسالہ کے لئے استعمال ہوتا ہے مگر اب اس کا استعمال بہت وسیع ہوگیا ہے۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن، تبصرے، انٹرنیٹ واٹس آپ، ای میل ودیگر نشریات یہ سب کام اب صحافی ہی کرتے ہیں، اس لئے اس کا دائرہ اب مزید وسیع ہوگیا ہے اور جدید ٹیکنالوجی نے اس فن کو اوج کمال تک پہنچادیا ہے۔ اب باقاعدہ خبروں کی فراہمی کے لئے مختلف ایجنسیاں قائم ہوگئی ہیں جن کو اطلاعات کے نظام میں وہی مرتبہ حاصل ہے جو مقام انسانی جسم میں قلب کو حاصل ہے۔ اور یہ فرمان رسول ﷺ سچ ہے: **وإذا صلح القلب صلح الجسد كله** اور جب دل درست ہوگا تو سارے جسم کا نظام درست ہوگا۔ یعنی اگر صحافت وخبریں درست ہوں گی تو معاشرہ بھی امن وآشتی کا گہوارہ بنے گا۔

ممتاز خبر رساں ایجنسیاں:

اس وقت عالمی سطح پر پانچ معروف خبر رساں ادارے سرگرمی سے کام کررہے ہیں۔ جن کو نمایاں مقام حاصل ہے: (۱) رائٹر (برطانیہ)، (۲) ایسوایسی، ایٹیڈ پریس (امریکہ)، (۳) یونائیٹڈ پریس انٹرنیشنل یا یو پی آئی (امریکہ)، (۴) اژانس فرانس پریس یا اے، ایف پی، (۵) تاس (روس)۔ اسی طرح ہندوستان کی مشہور خبر رساں ایجنسی پریس ٹرسٹ آف انڈیا: (PTI) ہے۔

مذکورہ اداروں کی پوری دنیا میں پانچ سو سے زائد دفاتر قائم ہیں، کوئی ۱۲۵/ملکوں میں ان کے دسیوں ہزار سے زیادہ نمائندے اطلاعات فراہم کرنے پر متعین ہیں۔ ہر ادارہ روزانہ ڈیڑھ ملین یعنی ۱۵/لاکھ سے زیادہ الفاظ ریڈیو، مواصلاتی سیاروں، ٹیلیفون ہوائی سروس وغیرہ کے ذریعہ دنیا کے مختلف ملکوں کو نشریات ارسال کرتا ہے۔ اس وقت چار بڑی ایجنسیوں میں امریکہ کا C.N.N. ہے جسے سابقہ خلیجی جنگ کی رپورٹنگ کے سارے حقوق دیدیئے گئے تھے۔ جس میں اس نے ایک طرفہ رپورٹنگ کرکے صحافتی خیانت کی ایک نئی تاریخ رقم کی ہے۔ امریکہ عراق جنگ میں الجزیرہ ٹیلی ویژن کو اس کی رپورٹنگ

پر کافی شہرت ومقبولیت ملی ہے۔اسی طرح برطانیہ،روس وجرمنی کی بھی ذرائع ابلاغ پر بڑی حدتک اجارہ داری ہے۔اسی طرح نشریاتی اداروں میں بی بی سی لندن، وائس آف امریکہ، وائس آف جرمنی، ریڈیو ماسکو، ریڈیو بیجنگ کی نشریات ساری دنیا میں بڑی دلچسپی سے سنی جاتی ہیں۔اور یہ سارے نشریے کئی زبانوں میں اپنے پروگرام نشر کرتے ہیں۔خاص طور پر برصغیر کے لئے یہ سارے ریڈیائی ادارے اردو میں نہایت اہتمام کے ساتھ اخبار اور حالات حاضرہ کے تعلق سے' سیر بین'' '' شب نامہ''، ''جہاں نما؟؟اور دیگر معلوماتی فیچرز پیش کرتے رہتے ہیں خاص کر الیکشن کے دنوں میں تو لگتا ہے کہ جیسے الیکشن یہی لڑتے ہیں۔ عوام کا رخ معین کرنے میں جو خبریں بی بی سی پہلے نشر کر دیتا ہے(جسے میں ۳۰ر برسوں سے سنتا رہا ہوں) وہ بہت بعد میں ہندوستانی ریڈیو سے نشر ہوتے ہیں یا پھر سرے سے نشر ہی نہیں ہوتے۔مذکورہ نشریاتی اداروں کے نمائندے ملک کے بڑے بڑے شہروں میں اہم خبروں پر نگاہ رکھتے ہیں اور خصوصی مراسلات بھیجتے ہیں۔ان میں جہاں کچھ افادی پہلو ہیں وہیں اپنی فکر وثقافت اور کلچر کی بھی ترجمانی کرتے ہیں جس سے مغربی تصور کو مشرق کے سامنے پیش کر کے اپنے مختلف سیاسی، اقتصادی، فکری وسماجی فوائد حاصل کرتے ہیں اور اس میں وہ بہت حد تک کامیاب بھی ہیں۔بڑے بڑے اشتہارات ان ہی ریڈیو اور ٹیلی ویژنوں کو ملتے ہیں اور تعمیری صحافت کے غیر موثر ہونے کا یہ بہت بڑا خسارہ ہے۔یعنی وہ اخبار ورسائل جو مثبت انداز فکر پیش کرتے ہیں لیکن چونکہ ان کے قارئین کی تعداد بہت کم ہوتی ہے، دیگر ایڈورٹائز اور اشتہارات بھی نہیں ملتے ہیں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چند گام چل کر دم توڑ دیتے ہیں، اور یہ صالح فکر کی موت ہے۔اور یہی فکری جنگ مغربی میڈیا اپنے ڈش انٹینا اور انٹرنیٹ کے ذریعہ بآسانی جیتنے میں کامیاب ہے۔کیونکہ جو قومیں اپنی تہذیب وثقافت کے مقابلہ میں دوسری قوموں سے متاثر ہوتی ہیں وہ اپنے تہذیبی تشخص سے جلد محروم ہو جاتی ہیں۔

اصل جنگ میڈیا کی:

اس وقت پوری دنیا میں جو جنگ چھڑی ہوئی ہے وہ توپوں اور بندوقوں کی نہیں بلکہ اصل جنگ صحافت اور میڈیا کے ذریعہ لڑی جارہی ہے جسے غزوفکری کہتے ہیں۔جس کی عمومیت اور وسعت اور دور رس گہرے اثرات بم و بندوق سے کہیں زیادہ خطرناک وہلاکت خیز ہیں،ایک تو ادب وتعلیم کے تیزاب میں قومی فکر کو پگھلایا جارہا ہے بقول علامہ اقبال:

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اسے پھیر

تو دوسری طرف رہی سہی کسر اس فلمی صنعت نے پوری کردی جس کی مکمل باگ ڈور یہودی لابی کے قبضے میں ہے اور جو بلاتوقف کروڑوں ڈالر کے صرفہ سے ایسی حیا سوز وعریاں فلمیں بنارہا ہے جو ادب، اخلاق اور انسانیت کو اپنے جنگی شعلوں میں جلا کر خاکستر کر رہا ہے۔جو براہ راست ڈش انٹینا کے ذریعہ نہ صرف کسی ایک طبقہ کو بلکہ ہر طبقہ کے گھروں میں دن دہاڑے گھس کر حملے کر رہا ہے۔ اور بطور خاص اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زہرافشانی کرنے والے ذرائع ابلاغ کو مسلمانوں ہی

کے خلاف بطور ہتھیار استعمال کیا جارہا ہے۔

مغربی صحافت کی حیاسوزی:

مغرب کی یہ جنگ پہلے علم وادب کے راستے سے لڑی جارہی تھی اور اب یہ وسیع پردۂ سیمیں و ٹیلی ویژن کے ذریعہ لوگوں کے دل ودماغ کو مسموم کررہی ہے اور جامۂ انسانیت کو تارتار کررہی ہے۔ باپ، بیٹا، ماں بہن، بیٹی، بیوی سبھی ایک ساتھ بغیر کسی کراہیت، شرم وعار کے اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور اسے تفریح طبع کا خوشنما نام دے کر غیرت وحمیت کا جنازہ نکال رہے ہیں۔ اس طرح تعمیری صحافت کو جن پہلوؤں پر دفاعی پوزیشن اختیار کرنے اور مثبت کردار ادا کرنے کی ضرورت ہے وہ مختلف الجہات محاذ ہیں، داخلی بھی ہیں اور خارجی بھی، فکری بھی اور اجتماعی بھی، ادبی بھی وتعلیمی بھی، اخلاقی بھی واقتصادی بھی، سیاسی بھی اور معاشرتی بھی۔

تعمیری صحافت کی ذمہ داری:

ایسی صورت میں تعمیری صحافت کی ذمہ داری دوچند ہوجاتی ہے کہ عصر جدید کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر حالات حاضرہ کا صحیح وغیر جانبدارانہ تجزیہ کرکے عام خلق خدا کی صحیح رہنمائی وقیادت کا فریضہ انجام دے جس سے نفرت وانتشار کی دیواریں ٹوٹیں، استحصال کا ماحول ختم ہو، امن وراحت، سکون ومحبت، ہمدردی وغم خواری کا خوشگوار ماحول پیدا ہو، انسانی قدروں کا فروغ ہو، شفقت ونرمی کے ساتھ قلب ونظر کی تطہیر ہو، زخمی دلوں پر مرہم نہانی کے ساتھ حق وانصاف کی بات کو عام کیا جاسکے اور آج اس صحافت کو فروغ دینے کی شدید ضرورت ہے جسے مولانا آزادؒ نے 'الہلال' اور 'البلاغ' کے ذریعہ زندہ کیا تھا، جس نے پورے ملک میں صرف دوسال کی قلیل مدت میں انقلاب وبیداری کی روح پھونک دی تھی۔ اور مولانا ظفر علی خاں نے 'زمیندار' کے ذریعہ جس صحافت کو پروان چڑھایا۔ شورش کاشمیری نے 'چٹان' کے ذریعہ، مولانا محمد علی جوہر نے 'کامریڈ' کے ذریعہ، سرسید نے تہذیب الاخلاق' کے ذریعہ، مولانا ثناء اللہ امرتسری نے چالیس برس ہفتہ وار 'اہل حدیث' کے ذریعہ، مولانا شبلی اور آزاد نے الندوہ' کے ذریعہ، مولانا عبدالحلیم شرر نے 'دلگداز' کے ذریعہ، مولانا عبدالماجد دریابادی نے 'سچ' اور 'صدق' کے ذریعہ ،مولانا سید سلیمان ندوی اور ان کے جانشین مدیروں نے 'معارف' اعظم گڑھ کے ذریعہ، جس کا فیضان ہنوز جاری ہے اور مولانا سعید احمد اکبرآبادی نے 'برہان' کے ذریعہ، مولانا عبدالسلام بستوی نے ''الاسلام'' کے ذریعہ اور مولانا محمد منظور نعمانی نے 'الفرقان' کے ذریعہ اور عامر عثمانی نے 'تجلی' کے ذریعہ اور مولانا عثمان فارقلیط نے ''الجمعیۃ'' اور ''ترجمان'' کے ذریعہ جس تعمیری ومثبت صحافت کو فروغ دیا تھا۔ آج اسی مثبت صحافت کو دوبارہ زندہ کرنے کی شدید ضرورت ہے۔

☆☆☆

گفتگو کے آداب

عبدالرحیم محمد یونس بنارسی

انسان وجانور میں بنیادی فرق یہ ہے کہ انسان حیوان ناطق ہے اور جانور حیوان غیر ناطق۔ گویا بنیادی فرق نطق وادا کا ہے اور یہی نقطۂ امتیاز ہے۔

ایک انسان زبان وبیان کی وجہ سے جانور سے ممتاز ہے۔ اللہ تعالی اسی نعمت کا ذکر کرتے ہوئے اپنا احسان یاد دلاتا ہے: ﴿ولسانا وشفتين﴾ (البلد:۹) اور زبان اور ہونٹ (کیا نہیں بنائے)۔ وہ زبان جس سے انسان بولتا ہے اور اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرتا ہے۔ ہونٹوں سے وہ بولنے اور کھانے کے لیے مدد حاصل کرتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ اس کے چہرے اور منہ کے لیے خوب صورتی کا بھی باعث ہیں۔

آپسی گفتگو میں آدمی کو محتاط ہونا چاہیے، مخاطب سے نرم لب ولہجہ میں بات کرنا شخصیت کی شائستگی اور سنجیدگی کی علامت ہے، گفتگو سے شخصیت کا بخوبی تعارف ہوجاتا ہے۔

ذمہ داروں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اندر صبر وتحمل پیدا کریں اور گفتگو کے دوران جذبات پر قابو رکھیں۔ یہ مشاہدہ ہے کہ کسی معروف وبااثر شخص سے گفتگو میں مؤدب ومہذب انداز اختیار کیا جاتا ہے، جب کہ اجنبی یا عام آدمی سے گفتگو میں آدمی تہذیب کے دائرے سے نکل کر سطحیت کی حدوں کو پار کر جاتا ہے، اس کو قطعاً اپنی غلطی کا احساس نہیں ہوتا بلکہ وہ اس ترش روئی کو اپنا اخلاقی فریضہ تصور کرتا ہے اور یہ بھول جاتا ہے کہ نہ صرف اس کا بلکہ جس حلقہ سے وہ منسلک ہے اس کا بھی نام خراب ہورہا ہے، اس کی سوقیانہ گفتگو کے تناظر میں لوگوں کے تصور میں اس کی تصویر مسخ ہوکر رہ جاتی ہے۔ بعدازاں جب اسے اپنی بدتمیزی کا اندازہ ہوتا ہے تو چاہ کر بھی وہ اپنی ندامت وشرمندگی کی پردہ پوشی نہیں کر پاتا۔

اسی ندامت وخجالت سے بچاؤ کی تدبیر پیش کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے: ﴿يا أيها الذين آمنوا إن جاء كم فاسق بنبإ فتبينوا أن تصيبوا قوما بجهالة فتصبحوا على ما فعلتم نادمين﴾ (الحجرات:۶) اے مسلمانو! اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کرلیا کرو، ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذا پہنچادو پھر اپنے کیے پر پشیمانی اٹھاؤ۔

ایسی نادانی کبھی کبھی ناقابل تلافی ہوجاتی ہے۔ بے شعوری میں کی گئی نادانی سے جو تأثر جاتا ہے وہ ان مٹ ہوتا ہے، جس طرح تعمیر میں خشت اول کی کجی تاثر یا عمارت کی کجی کا سبب ہے، اسی طرح ناگواری کے اولین نقوش کے سامنے بعد کی خوش گفتاری اور بناوٹی خوش اخلاقی کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ بدزبانی اور بدگمانی کا چولی دامن کا ساتھ ہے، اگر کسی اچھے بھلے آدمی سے کوئی بدگمان ہوجائے یا اس سے بے بنیاد باتیں منسوب کرکے لوگوں کو بدگمان کیا جائے تو پھر یقیناً تلخیاں پیدا ہوں گی اور بدزبانی کو راہ ملے گی۔ اسی چیز سے منع کرتے ہوئے اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿يا أيها الذين آمنوا اجتنبوا كثيرا

من الظن.....﴾ (الحجرات:۱۳) اے ایمان والو! بہت بدگمانیوں سے بچو، اور اللہ کے رسول ﷺ نے اس سے بچنے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا: "إياكم والظن فإن الظن أكذب الحديث" (البخاری:۵۱۴۳) بدگمانی سے بچو، اس لیے کہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے۔

تو ایسی جھوٹی بات کی بنیاد پر بدکلامی کرنا کہاں کی دانش مندی ہے؟ یہ یقیناً ایسی احمقانہ حرکت ہے جس سے حلقۂ دانشوران پر حرف آتا ہے۔ سُکّان زمین کی انہی گستاخیوں کو اقبال نے اللہ کی ناراضگی کا سبب بتلایا ہے ؎

غافل آداب سے سکان زمیں کیسے ہیں! شوخ و گستاخ یہ پستی کے مکیں کیسے ہیں!

آپسی گفتگو میں آدمی کو صرف اپنی بات کہنے کی کوشش کرنے کے بجائے مخاطب کو بھی پورا پورا موقع دینا چاہیے اور خود نمائی اور جھوٹی ستائش کے لیے جھوٹ اور چیخ و پکار کا سہارا ہرگز نہیں لینا چاہیے، اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿واقصد في مشيك واغضض من صوتك، إن أنكر الأصوات لصوت الحمير﴾ (لقمان:۱۹) اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کرو اور اپنی آواز پست کرو۔ یقیناً آواز میں سب سے بدترین آواز گدھوں کی آواز ہے۔

یعنی چیخ کر یا چلا کر بات نہ کریں، اس لیے کہ زیادہ اونچی آواز سے بات کرنا پسندیدہ ہوتا تو گدھے کی آواز سب سے اچھی سمجھی جاتی، لیکن ایسا نہیں ہے، بلکہ گدھے کی آواز سب سے بدتر اور کریہہ ہے، اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ ''گدھے کی آواز سنو تو شیطان سے اللہ کی پناہ مانگو''۔ (البخاری:۳۳۰۳، ".....وإذا سمعتم نهيق الحمير فتعوذوا")

گفتگو میں بحث و تکرار کی کیفیت نہیں پیدا ہونی چاہیے، یہ جہالت کی علامت ہے کہ آدمی ماتھا سکوڑے، پیشانی پر بل لائے، تیوری چڑھائے، منہ بسورے اور چلاتے چلاتے اتنا غصہ ہوجائے کہ گال پھول پھول کر غبارہ ہوجائے اور منہ سے جھاگ آنے لگے، ایسے لوگوں کو اللہ ناپسند فرماتا ہے: ﴿ولا تصعر خدك للناس ولا تمش في الأرض مرحا، إن الله لا يحب كل مختال فخور﴾ (لقمان:۱۸) لوگوں کے سامنے اپنا گال نہ پھلا اور زمین پر اترا کر نہ چل، کسی تکبر کرنے والے شیخی خورے کو اللہ تعالی پسند نہیں فرماتا۔

یعنی تکبر نہ کریں کہ تکبر کرنے والا لوگوں کو اپنے سے حقیر و کمتر سمجھتا ہے اور جب وہ ہم کلام ہوتے ہیں تو ان سے منہ پھیر لیتا ہے۔ دوران گفتگو اپنا منہ پھیرے رکھنا یہی ''صعر'' ہے، یہ ایسی بیماری ہے جو اونٹ کے سر یا گردن میں ہوتی ہے جس سے اس کی گردن مڑ جاتی ہے۔ آیت میں بطور تکبر منہ پھیر لینے کے معنی میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے، گویا گفتگو کا یہ وحشیانہ انداز چوپایوں سے مشابہ ہے۔

سرسید احمد خان فرماتے ہیں کہ بحث و تکرار کی اس روش میں کسی نہ کسی قدر کتوں کی مجلس کا اثر پایا جاتا ہے، پس انسان کو لازم ہے کہ اپنے دوستوں سے کتوں کی طرح بحث و تکرار کرنے سے پرہیز کرے۔ (منتخبات جامعہ اردو:۲۸/۱)

اس کی مثال دیتے ہوئے رقمطراز ہیں: ''نامہذب آدمیوں کی مجلس میں بھی آپس میں اسی طرح تکرار ہوتی ہے۔ پہلے صاحب سلامت کر کے آپس میں مل کر بیٹھتے ہیں، پھر دھیمی دھیمی بات شروع ہوتی ہے، ایک کوئی بات کہتا ہے دوسرا بولتا ہے،

واہ! یوں نہیں یوں ہے، وہ کہتا ہے: تم کیا جانو! وہ بولتا ہے، تم کیا جانو! دونوں کی نگاہ بدل جاتی ہے، تیوری چڑھ جاتی ہے، رخ بدل جاتا ہے، آنکھیں ڈراؤنی ہو جاتی ہیں، باچھیں چر جاتی ہیں، دانت نکل پڑتے ہیں، تھوک اڑنے لگتا ہے، باچھوں تک کف بھر آتے ہیں، سانس جلدی جلدی چلتا ہے، رگیں تن جاتی ہیں، آنکھ، ناک، بھوں، ہاتھ عجیب عجیب حرکتیں کرنے لگتے ہیں، غیف غیف آوازیں نکلنے لگتی ہیں، آستین چڑھا، ہاتھ پھیلا اس کی گردن اس کے ہاتھ میں اور اس کی داڑھی اس کی مٹھی میں لپاڈگی ہونے لگتی ہے، کسی نے بیچ بچاؤ کر کے چھڑا دیا تو غراتے ہوئے ایک ادھر چلا گیا اور ایک ادھر چلا گیا، کوئی بیچ بچاؤ کرنے والا نہ ہوا تو کمزور نے پٹ کر کپڑے جھاڑتے سر سہلاتے ہوئے اپنی راہ لی۔ (منتخبات جامعہ اردو: ۲۸/۱)

اس طویل ترین اقتباس سے یہ بات با آسانی سمجھ میں آتی ہے کہ کس طرح بات بات میں تکرار بڑھ جاتی ہے اور ہاتھا پائی کی نوبت آجاتی ہے۔ لہذا بحث ومباحثہ اور تکرار میں بھی تہذیب، محبت اور دوستی کو ہاتھ سے جانے نہ دیں اور اگر جھگڑے کا ماحول ہو تو ہنسی خوشی ٹال جائیں۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے "فصل فی هديه ﷺ في كلامه وسكوته ....." میں آپ ﷺ کے طرز گفتگو پر بہترین روشنی ڈالی ہے۔ (زاد المعاد: ۱۷۵/۱)

ایک دوسری جگہ "فصل فی هديه ﷺ في حفظ المنطق واختيار الألفاظ" میں نبی ﷺ کا انداز بیان اور گفتگو کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''نبی کریم ﷺ گفتگو اور تقریر کے لیے بہترین اور لطیف ترین الفاظ استعمال کرتے تھے، فحش گوئی اور ترش روئی اختیار نہیں کرتے تھے، سخت مزاج اور تند مزاج لوگوں کے انداز بیان سے بعید تھے، گفتگو کے دوران چیختے اور چلاتے نہیں تھے۔

کسی اچھے لفظ کو نااہل شخص کے لیے اور کسی ناپسندیدہ لفظ کو اچھے شخص کے لیے استعمال نہیں فرماتے تھے۔ (زاد المعاد: ۳۲۰/۲، نیز مختصر زاد المعاد: شیخ محمد بن عبدالوہاب، ص: ۱۳۷)

اکثر لوگ اپنی ترش روئی کی وجہ سے جہنم رسید کیے جائیں گے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: ".....هل يكب الناس، على وجوههم في النار، إلا حصائد ألسنتهم؟" (سنن ابن ماجہ: ۳۹۷۳، وصححہ الالبانی) لوگ اپنی زبان درازی کی وجہ سے جہنم میں اوندھے منہ ڈالے جائیں گے۔

بسا اوقات دولت پر ناز گفتگو کے انداز کو ہی بدل دیتا ہے اور آدمی سرکشی پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ مال وثروت اس کی آواز ہوتی ہے، وہ نہیں بولتا بلکہ اس کی دولت بولتی ہے، قرآن مجید میں اللہ ایسے لوگوں کی مثال بیان فرماتا ہے: ﴿فقال لصاحبه وهو يحاوره انا أكثر منك مالا وأعز نفرا﴾ (الکہف: ۳۴) ایک دن اس (متکبر) نے باتوں ہی باتوں میں اپنے ساتھی سے کہا کہ میں تجھ سے زیادہ مالدار ہوں اور جتھے کے اعتبار سے بھی زیادہ مضبوط ہوں۔

اس کی اس فاخرانہ گفتگو کا جواب اس کے ساتھی نے نہایت ہی سوجھ بوجھ کے ساتھ دیا: ﴿قال له صاحبه وهو يحاوره أكفرت بالذي خلقك من تراب﴾ (الکہف: ۳۷) اس کے ساتھی نے اس سے باتیں کرتے ہوئے کہا کہ کیا

تو اس (معبود) سے کفر کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نطفے سے پھر تجھے پورا آدمی بنا دیا۔

یعنی اسے اس کی حقیقت یاد دلائی کہ مال و دولت کے نشے میں تم بڑ بولے پن کے شکار مت ہو۔ اور قارون کی بربادی بھی بدگوئی کے نتیجے میں ہوئی، قرآن نے اس کے انداز گفتگو کا نقشہ یوں کھینچا ہے: ﴿قال انما أوتيته على علم عندي﴾ (القصص:۷۸) قارون نے کہا یہ سب کچھ مجھے میری اپنی سمجھ کی بنا پر ہی دیا گیا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے کسب و تجارت کا جو فن آتا ہے یہ دولت اسی کا نتیجہ ہے، اس کا اللہ کے فضل و کرم سے کیا تعلق ہے؟ یہی باتیں اس کی تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوئیں۔

سفر و حضر میں کسی بھی بات یا کام کے اتمام کا دعوی کرنے سے پہلے اللہ کا نام ضرور لینا چاہیے، اللہ کا فرمان ہے: ﴿ولا تقولن لشايء إني فاعل ذلك غدا إلا أن يشاء الله﴾ (الکہف:۲۳-۲۴) اور ہرگز ہرگز کسی کام پر یوں نہ کہنا کہ میں اسے کل کروں گا، مگر ساتھ ہی ان شاء اللہ کہہ لینا۔ کیوں کہ انسان کو تو پتہ نہیں کہ وہ جس بات کا عزم ظاہر کر رہا ہے، اس کی توفیق بھی اسے اللہ کی مشیت سے ملنی ہے یا نہیں؟

زندگی کے طویل سفر کے لیے اپنی اور آل اولاد کی ایسی تربیت کرنی چاہیے کہ کبھی بھی شرمندگی کا منہ نہ دیکھنا پڑے، حضرت موسی کو سفر مدین میں جن باحیا لڑکیوں کی مدد کا موقع ملا وہ درحقیقت باپ کی نیک اور تربیت یافتہ اولاد تھیں اور بڑھاپے کا سہارا بھی، مزید یہ کہ اولاد نرینہ کی کمی بحسن و خوبی پورا کر رہی تھیں، ان کی چال ڈھال اور عادات و اطوار سے صالحیت ہویدا تھی، قرآن کہتا ہے: ﴿تمشي على استحياء﴾ (القصص:۲۵) شرم و حیا سے چلتی ہوئی آئی۔ انھوں نے حضرت موسی علیہ السلام سے نہایت پاکیزہ اور صاف اسلوب میں گفتگو کی: ﴿قالت إن أبي يدعوك ليجزيك﴾ (القصص:۲۵) کہنے لگی کہ میرے باپ آپ کو بلا رہے ہیں تاکہ آپ نے ہمارے (جانوروں) کو جو پانی پلایا ہے اس کی اجرت دیں۔

اس کے علاوہ ان کا خیر خواہانہ مشورہ: ﴿يا أبت استاجره﴾ (القصص:۲۶) ابا جی! آپ انہیں مزدوری پر رکھ لیجیے۔

یہ تمام اوصاف حمیدہ بیک وقت اولاد میں یکجا ہونا سعادت مندی کا ثبوت ہے۔

اس کے برعکس اگر آج کے نوجوانوں کے سامنے ایسے مواقع آئیں تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ صاف صاف بچ کر نکل جائیں گے بلکہ صنف نازک کی لچکدار اور لبھانے والی گفتگو کے دام میں الجھتے نظر آئیں گے، طرفین کے آلودگی دامن کا اندیشہ ہے، قرآن مجید کی اس نصیحت: ''﴿ولا تخضعن بالقول﴾ (الاحزاب:۳۲) تم نرم لہجے سے بات نہ کرو۔ لطافت کی جگہ قدرے سختی اور روکھا پن ہو، تاکہ کوئی بدباطن لہجے کی نرمی سے غلط فہمی کا شکار نہ ہو'' کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اپنی اولاد کی ایسی تربیت کریں کہ جنس مخالف کو جلوت و خلوت، سفر و حضر میں دیکھ کر بوقت ضرورت ان سے گفتگو کر کے بھی جذبات بے قابو نہ ہوں۔ اس سلسلے میں موسی علیہ السلام اور وہ نیک دوشیزائیں ہمارے لیے بہترین اسوہ اور نمونہ ہیں۔

اجنبی اور اجنبیہ کی بوقت ضرورت جو بھی گفتگو ہو درمیان پردہ ہو، اللہ کا حکم ہے: ﴿وإذا سألتموهن فاسألوهن من وراء حجاب﴾ (الاحزاب:۵۳) اور (اے ایمان والو!) جب تم ان سے کوئی چیز طلب کرو تو پردے کے پیچھے سے طلب کرو۔

دعائیہ کلمات اور جملوں سے ہماری گفتگو مزین ہونا چاہیے۔ہمیں اللہ کی حمد وثنا، کبریائی وبڑائی سے اپنی زبان تر رکھنا چاہیے۔یاد رکھیں! اللہ کا ذکر لوگوں کے ذکر سے بڑھ کر ہے۔نہایت افسوس ہے ایسے انسان پر جس سے دوران گفتگو اس کے احوال دریافت کیے جائیں اور وہ بجائے ''الحمدللہ'' (ساری تعریف اللہ کے لیے ہے) کہنے کے ''ہاں ٹھیک ہے'' کہہ کر بات ختم کردے۔اللہ کا فرمان ہے: ﴿ولولا إذ دخلت جنتك قلت ما شاء الله﴾ (الکہف:۳۹) تو نے اپنے باغ میں جاتے وقت کیوں نہ کہا ماشاء اللہ (جو کچھ ہوتا ہے اللہ کی مشیت سے ہوتا ہے)۔

معلوم ہوا کہ اس طرح کے اوراد واذکار اور دعائے خیر پر آمین وغیرہ اسلامی آداب گفتگو کا حصہ ہیں۔ہر فرد بشر کی یہ ذمہ داری ہے کہ اپنی باتوں سے کسی کے جذبات کو مجروح نہ کریں۔گفتگو ایسی ہو کہ اس سے کسی کی توہین لازم آئے اور نہ ہی کسی کو ٹھیس پہنچے، رسول اللہ ﷺ نے ہماری خوش کلامی کو بھی صدقات وخیرات کے زمرے میں شامل کیا ہے: "لا تحقرن من المعروف شيئا ولو أن تلقى أخاك بوجه طلق" (مسلم:۲۶۲۶) تم نیکی کے کسی کام کو حقیر مت سمجھو خواہ تم اپنے بھائی سے ہشاش بشاش چہرے کے ساتھ ملاقات ہی کرو۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''حسن خلق'' کی تفسیر میں عبداللہ بن مبارک کا یہ قول نقل کیا ہے: "هو بَسْطُ الوجه، وبذل المعروف وكف الأذى" (سنن الترمذی:۲۰۰۵، قال الألبانی: صحیح الاسناد) وہ خندہ روئی، سخاوت سے کام لینا اور کسی کو تکلیف نہ پہنچانا ہے۔گویا کم بولنا اور سادگی سے گفتگو کرنا پسندیدہ ہے اور اس کے برعکس زیادہ بولنا اور وہ بھی دوسروں پر ہیکڑی جمانے کے لیے گفتگو میں تیزی وطراری دکھانا اور تصنع اختیار کرنا سخت ناپسندیدہ ہے، نبی ﷺ کا فرمان ہے: "تبسمك في وجه أخيك صدقة....." (الترمذی:۱۹۵۶، وصححہ الالبانی علیہ الرحمۃ) تمہارا اپنے بھائی کے سامنے مسکرانا صدقہ ہے۔

اللہ کا فرمان ہے: ﴿وقولوا للناس حسنا﴾ (البقرۃ:۸۳) لوگوں سے اچھی باتیں کہا کرو، نیز فرمایا: ﴿وقل لعبادي يقولوا التي هي أحسن﴾ (بنی اسرائیل:۵۳) اور میرے بندوں سے کہہ دو کہ (لوگوں سے) ایسی باتیں کہا کریں جو بہت پسندیدہ ہوں کیوں کہ شیطان (بری باتوں سے) ان میں فساد ڈلوا دیتا ہے۔بہت پاکیزہ گفتگو کے متعلق نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "الكلمة الطيبة صدقة" (البخاری:۲۹۸۹) پاکیزہ کلمہ صدقہ ہے۔

دور حاضر میں اشاعت اسلام میں جو چیز سب سے زیادہ ممد ومعاون ہے وہ ہماری میٹھی گفتگو ہی ہے، اگر ہم اس میں کامیاب ہو گئے تو یقیناً ؎

ہے محبت میں وہ قوت کہ بنے سنگ بھی موم حسن اخلاق سے کافر کو مسلماں کر دے

اور اگر ہماری گفتگو کا انداز جارحانہ رہا اور اس سے دلوں کو ٹھیس پہنچی تو اس سے لوگ بجائے قریب ہونے کے اور دوری اختیار کریں گے۔اور یہ ہماری سب سے بڑی بھول اور نادانی ہوگی۔

بقول علامہ اقبال:

ناز ہے طاقت گفتار پہ انسانوں کو بات کرنے کا سلیقہ نہیں نادانوں کو ☆☆

دینی جلسوں کی بدلتی شکلیں

ابوطلحہ بن محمد ابراہیم سلفی

زمانۂ قدیم سے جلسوں کا سلسلہ جاری ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ مختلف زمانے میں حالات وظروف کے مطابق اس میں کئی تبدیلیاں آئیں اور اس کی شکل بدلتی چلی گئی۔ خلوص کی جگہ بدنیتی نے لے لی، سادگی تصنع سے بدل گئی، امانت میں خیانت درآنے لگی، احساس زیاں جاتا رہا، ذمہ داری کا نام خانہ پری ہوگیا، ملت کے درد کا احساس سرد ہوگیا اور جب سے اس میں پیشہ ورانہ کی شمولیت بڑھی تو ان جلسوں کی روح پرواز کرگئی، بھیڑ میں اضافہ ہوا مگر ثمرات میں کمی آگئی، اسٹیجوں کی زینت دو چند ہوگئی اور خانۂ دل ویران ہوگیا، صاحب ثروت بے مروت ٹھہرے اور صاحب ایمان مروت میں رہ گئے، نہ عالم کو امت کی اصلاح کی فکر ہے، نہ امت کو اپنے علماء کی قدر ہے۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

ایک زمانہ تھا جب ان ہی جلسوں کی بدولت لوگوں کے دلوں کی دنیا بدل جاتی تھی، گمراہ انسان کا مردہ دل پند ونصیحت کی دوا سے زندہ ہواٹھتا تھا، گمراہ عقائد کا پجاری توحید خالص کا پرستار بن جاتا تھا، خشک آنکھیں آنسوؤں کا سیلاب بہادیتی تھیں، سامعین کے قلوب میں خطباء کی حکمرانی ہوتی تھی اور خطباء کے نہاں خانے میں حاضرین کی آخرت سنوارنے کا جذبہ ہوتا تھا اور دنیا وآخرت کی ترقی ان کا مطمح نظر ہوتی تھی، مگر آہ!

گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

ذیل میں چند اہم چیزوں کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے جنھیں بروئے کار لاکر جلسوں کو کامیاب بنایا جاسکتا ہے:

فضول خرچی سے پرہیز:

آج کے ترقی پذیر دور میں مختلف حکمت عملی کے ذریعہ سے ہر میدان میں لوگ کامیابی حاصل کررہے ہیں اور اپنے مشن کو آگے بڑھارہے ہیں، لہذا ضروری ہے کہ دینی جلسوں کے لیے بھی ہم ایسے اصول اور حکمت عملی اپنائیں جو عوام وخواص کے لیے کارآمد ہو، حکمت عملی ودانائی موجودہ دور میں یہ سمجھی جاتی ہے کہ بہت زیادہ خرچ کیا جائے، اعلی سے اعلی اور پررونق بزم سجائی جائے، حالاں کہ دولت کا بے جا استعمال اسراف ہے اور اسراف سے کام لینے والوں کو اللہ تعالی ناپسند کرتا ہے: ﴿وَلاَ تُسْرِفُواْ إِنَّهُ لاَ يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾ (الاعراف:۳۱) اور حد سے تجاوز نہ کرو، اس لیے کہ اللہ تعالی حد سے گزرنے والے کو

پسند نہیں کرتا ہے، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ سورہ اسراء میں تو فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا گیا ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿وَلاَ تُبَذِّرْ تَبْذِيراً، إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُواْ إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ﴾ فضول خرچی نہ کرو، بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔

دولت کے زور پر محفل سجا کر اور اس میں بے جا خرچ کر کے دنیا کا دل تو خریدا جا سکتا ہے، لیکن دل کی دنیا خریدنا محال ہے، دولت وثروت کو بچا بچا کر خرچ کرنے کی اہمیت اس وقت سمجھ میں آتی ہے جب اس کی تنگی دامن گیر ہوتی ہے، اس بات کی طرف اشارہ کرنے کی ضرورت اس لیے پڑی کیوں کہ بہت سی جگہوں میں دینی مجالس کے نام پر بے دریغ دولت صرف کی جاتی ہے اور ہر سال اس میں اضافہ ہی ہوتا نظر آتا ہے۔

خطباء کا انتخاب:

بہت سے لوگ ان ہی اجتماعات اور جلسوں کو کامیاب وکارآمد تصور کرتے ہیں جن میں پیشہ ور خطیبوں کی طویل فہرست ہوتی ہے، خواہ ان کی تقاریر دلائل وبراہین سے عاری اور منہج سلف سے ہٹ کر ہوں، خوش گوئی یا پاٹ دار آواز سے تقریر کا انداز علمی حلقوں میں مقبول نہیں ہے، وقتی طور پر ایسی تقریر سامعین کے کانوں میں تو رس گھول سکتی ہے، لیکن دلوں کی گہرائی تک رسائی نہیں کرتی اور نہ ہی اس کا اثر دیرپا ہوتا ہے، وجہ یہ ہے کہ ایسی تقریروں کے لیے عام طور پر قصے کہانیوں سے مدد لی جاتی ہے اور قصے کہانیوں سے لوگوں کی دل چسپی کوئی نئی بات نہیں، بعض بعض دفعہ تو ایسی تقریروں کا رخ لہو الحدیث کی طرف بھی ہو جایا کرتا ہے اور یہی وقت ہوتا ہے جب سامعین خوب خوب لطف اندوز ہوتے ہیں اور مزہ آ گیا کا وردان کی زبانوں پر ہوتا ہے، اصلاح کے بجائے پوری بزم سعید قہقہہ زار بن جاتی ہے، قرآن وسنت کی آڑ میں ایسی ایسی باتیں بیان کی جاتی ہیں جو تعمیر ملت کے بجائے تخریب ملت کا باعث بن جاتی ہیں۔

ایسے مقرروں کے دلوں میں عموما قوم کی تعمیر کا جذبہ کارفرما نہیں ہوتا ہے، ان کو صرف اپنی دکانوں کی فکر دامن گیر ہوا کرتی ہے، ان کے قلوب اصلاح معاشرہ کی تڑپ سے خالی ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی تقریروں میں کچھ شوسے ایسے ضرور چھوڑتے ہیں جو عوام میں موضوع گفتگو ہوں، اور ان کے وہاں سے جانے کے بعد لوگوں میں خوب خوب چرچا ہو، کبھی دوسرے مسالک کے لوگوں کو چھیڑ کر، کبھی کسی امام کو برا بھلا کہہ کر، اور کبھی متنازع مسائل پر اپنی کم علمی کا مظاہرہ کر کے، ان کی ان حرکات سے عوام میں ہنگامہ آرائی ہوتی ہے اور شہرت بھی ہوتی رہتی ہے، اس طرح قوم وملت کو بجائے فائدہ حاصل ہونے کے نقصان پہنچتا ہے۔

اس لیے آج کے اس ہمہ ہنگی کے دور میں ضرورت ہے اپنی سوچ بدلنے کی، اپنی فکر میں وسعت لانے کی، اور دینی اجتماعات وجلسوں کے لیے ایسا لائحہ عمل مرتب کرنے کی جسے برت کر ان اصلاحی وتربیتی پروگرام کو کامیاب بنایا جا سکے اور لوگوں کی زیادہ سے زیادہ اصلاح ہو سکے۔ اس کے لیے سب سے پہلے ذمہ داروں کو آگے آنا ہوگا، پھر عوام کی سوچ بدلنی ہوگی، خصوصا

نوجوانوں کی مثبت ذہن سازی کرنی ہوگی، اور داستان گو مقررین کا بائیکاٹ کرنا ہوگا، کیوں کہ اس قسم کے جتنے بھی مقررین ہوتے ہیں سب کی بھاری بھرکم فیس ہوتی ہے اور فضا میں اڑان بھرے بغیر مطلوبہ جگہ تک ان کا پہنچنا دشوار ہوتا ہے یا کم از کم اے سی کا ٹکٹ لازمی وضروری ہوتا ہے، جس کے لیے انتظامیہ کو اچھی خاصی رقم صرف کرنی پڑتی ہے اور یہ رقم امت کی ضائع ہو رہی ہے، اگر ان کی جگہ پر کسی باشرع مقرر اور بارعب خطیب کو دعوت دی جائے تو اشاعت دین کا فائدہ بھی حاصل ہوگا اور امت کے بچے ہوئے پیسوں کو دوسرے کسی اچھے مصرف میں صرف کیا جاسکتا ہے، ان روپیوں سے غریبوں کی مدد کی جاسکتی ہے، بیواؤں کی تسکین کا سامان کیا جاسکتا ہے، یتیموں کی دیکھ ریکھ کی ذمہ داری قبول کی جاسکتی ہے، دینی کتابیں چھاپ کر تقسیم کی جاسکتی ہیں، برے حالات سے گزرتے مسلمانوں کا تعاون کیا جاسکتا ہے، نومسلموں کی تالیف قلب ہوسکتی ہے، سال میں صرف ایک ہی رونمائی جلسہ نہ کر کے چھوٹے چھوٹے پیمانے پر کئی ایک دینی اجتماعات کا انعقاد ہوسکتا ہے، اگر یہ ٹیپ ٹاپ کا جلسہ کسی مدرسہ کی جانب سے ہے تو اس میں کم خرچ کر کے بچے ہوئے پیسوں سے اساتذہ کی تنخواہ میں اضافہ کیا جاسکتا ہے، اگر کسی مسجد کی زیرنگرانی ہو تو اس مسجد کے امام ومؤذن کا مشاہرہ بڑھایا جاسکتا ہے۔

الغرض اگر دیکھا جائے تو ہر اعتبار سے چھوٹے چھوٹے پروگرام کا فائدہ زیادہ ہوتا ہے اور لاگت بھی کم آتی ہے، اور ان چھوٹے اجتماعات میں دنیا طلبی اتنی نہیں ہوتی جتنی کہ بڑے اور زرق برق والے جلسوں میں۔

مروجہ جلسوں میں عام طور پر پیشہ ور خطباء ہوتے ہیں (چند ایک کو چھوڑ کر) ان کی سیرت قابل گرفت ہوتی ہے اور کردار ان کا اسلامی نہیں ہوتا ہے، اسی بنا پر ان کی پرجوش خطابت کا اثر دیرپا نہیں ہوتا ہے، شورش کشمیری رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

''خطابت کی اصل بنیاد خطیب کی سیرت ہے، خطیب کی سیرت اس کی دولت اور اس کا کیریکٹر اس کا خزانہ ہے، جو خطباء اس سے محروم ہوئے وہ دماغوں اور دلوں پر کوئی نقش نہیں جما سکے، ان کی حیثیت زیادہ سے زیادہ اس خوش آواز گداگر کی ہوتی ہے جو مکانوں کی چوکھٹ پر صدا دیتا ہے اور ناکام لوٹتا ہے، خطابت بدن ہے تو سیرت اس کی روح ہے، خوب صورت روح ہی تندرست بدن قائم رکھتی ہے۔ (فن خطابت: شورش کشمیری)

جگہ کا انتخاب:

ان جلسوں میں پایا جانے والا ایک نقص یہ ہے کہ ہر سال ایک ہی جگہ کا انتخاب ہوتا ہے، انتظامیہ کو اس پہلو پر غور کرنا چاہیے، خاص طور پر بڑے بڑے اجتماعات کا یہی حال ہے، ہونا یہ چاہیے کہ اگر علاقائی اور ضلعی پیمانے پر ہو تو ایک سال کسی خطے میں تو دوسرے سال کسی دوسرے علاقے میں منتقل کیا جائے، اگر یہ اجلاس صوبائی ہو تو ایک سال کسی ضلع میں تو آئندہ سال کسی دوسرے ضلع میں منعقد کیا جائے، اور اگر آل انڈیا ہو تو ایک سال اس صوبہ میں تو دوسرے سال کسی اور صوبے میں منعقد ہو، تاکہ اس کے فوائد یکساں طور پر سب کو محیط ہوں، ناچیز کے ناقص علم کے مطابق یہ طریقہ بھی اس حکمت ودانائی کے عین مطابق ہے جس کا حکم ﴿ادْعُ إِلِى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ میں دیا گیا ہے۔

وقت کا تعین:

بہار بنگال اور جھارکھنڈ کے بعض اضلاع میں جلسہ وہی بڑا اور کامیاب مانا جاتا ہے جو پوری رات ہو، اگر ایسا نہ ہو تو عوام میں اس کی قدر و قیمت نہیں ہوتی اور انتظامیہ کی طبیعت آسودہ نہیں ہوتی، جلسوں کا یہ روپ ہندوانہ رسم کے مشابہ ہے، ہندو بھائی بھجن اور کرتن کا رات رات بھر اہتمام کرتے ہیں، کوئی ہمہ تن گوش ہو کر سنے یا نہ سنے اس کی ان کو قطعاً پرواہ نہیں ہوتی، ان کے یہاں یہ ایک رسم ہے جسے پورا کرنا ضروری ہوتا ہے، گویا ایک کورس کے طور پر اسے پوری رات انجام دیا جاتا ہے، بالکل اسی طرح بعض مسلم خطے میں بھی رات رات بھر دینی جلسے کے نام پر لوگوں کا قیمتی وقت برباد کیا جاتا ہے، ایک کے بعد ایک مقرر آتے ہیں اور اپنی اپنی باری نبھا کر چلے جاتے ہیں۔ سامعین بارہ ایک بجے رات تک تو کسی طرح جھیل لیتے ہیں مگر اس کے بعد کوئی اونگھ رہا ہوتا ہے، کوئی نیند کی آغوش میں چلا جاتا ہے، کوئی خواب غفلت میں عالم لاشعوری کی سیر کرتا نظر آتا ہے، اور کچھ لوگ جو پوری رات عالم بیداری میں رہنے کا حلف اٹھا کر آتے ہیں وہ جاگے رہنے کی کوشش میں مختلف قسم کا شغل کرتے دیکھے جاتے ہیں، باقی کچھ اللہ میاں کی گائے بچتے ہیں جن کو نہ اونگھ آتی ہے نہ ہی سونے کا سوچتے ہیں نہ کسی طرح کا شغل کرتے ہیں اور نہ ہی پوری توجہ مقررین کو دے پاتے ہیں، کیوں کہ آخر وہ بھی انسان ہیں، نیند کا غلبہ ہونے کی وجہ سے ان کو لگتا ہے کہ وہ تقریر سماعت کر رہے ہیں اور منہمک ہو کر سن رہے ہیں مگر حقیقت اس کے برعکس ہوتی ہے، نہ کوئی بات ان کا ذہن قبول کرتا ہے اور نہ ہی قوت سماعت اس کی اجازت دیتی ہے، اسی کشمکش میں رات بسر ہو جاتی ہے اور سب اپنی اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں، دن بھر طبیعت بوجھل معلوم ہوتی ہے، نہ کام میں من لگتا ہے، نہ نشاط باقی رہتی ہے اور نہ ہی چستی قائم رہتی ہے، اور نہ ہی دن میں صحیح سے نیند ہی آتی ہے۔ الغرض پورا دن نامرادی کی نذر ہو جاتا ہے، اور اپنے آپ کو کوستا رہتا ہے۔ کاش! رات وہاں نہ گیا ہوتا تو ہی اچھا تھا۔

اس طرح کے جلسوں کے لیے عمومی اعلان یہ ہوتا ہے کہ ۲ بجے دن سے طلوع آفتاب تک، لیکن میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ دن ۲ ربجے شروع ہوا ہو، اصل جلسہ کی ابتداء بعد نماز عشاء ہوتی ہے اور اس سے قبل مغرب تا عشاء کا وقت نعت خوانی اور ننھے منّوں کی تقریری مشق میں گزر جاتا ہے۔

اس لیے وقت کا صحیح تعین ضروری ہے تا کہ کسی کا وقت ضائع نہ ہو، الگ الگ وقت پر الگ الگ نشست ہونی چاہیے، مثلاً بعد نماز عصر تا مغرب، بعد مغرب تا عشاء بعد نماز عشاء تا.....، تا کہ لوگوں کی چستی اور نشاط برقرار رہے۔

جلسوں کی زبان:

میرا ماننا یہ ہے کہ جس خطے میں دینی اجتماع منعقد ہو وہاں پر یہ دیکھا جائے کہ آبادی کی اکثریت کی زبان کیا ہے، اگر اردو طبقہ کے لوگ وہاں زیادہ بستے ہوں تو مقررین بھی اردو زبان کے ہوں، اگر علاقہ بنگلہ زبان والے کا ہو تو اسی زبان کے

خطباء کو دعوت دی جائے، اگر ملی جلی زبان بولنے والوں کا علاقہ ہو تو اسی اعتبار سے خطیبوں کا انتخاب کیا جائے، تاکہ تبلیغ دین کا مقصد حاصل ہو سکے، دین کی تبلیغ اور اس کی اشاعت کے لیے اس دقیق نقطے پر دھیان دینا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ علاقہ تو بنگال کا ہے لیکن اردو کے کسی خطیب کو محض اس لیے بلا لیا گیا کہ وہ مشہور مقرر ہیں، ٹھیک ہے ان کی شہرت سے مجھے کوئی اعتراض نہیں، لیکن اس خطے کے لیے وہ اتنا نفع بخش نہیں جتنا کہ اسی زبان کے کسی ماہر و مشہور مقرر سے حصول فائدہ کا امکان ہے۔

موضوع کا انتخاب:

اللہ کا شکر ہے کہ ادھر کچھ سالوں سے الگ الگ مقررین کے لیے الگ الگ موضوعات منتخب کیے جاتے ہیں، لیکن بعض علاقوں میں اب بھی اس کا اہتمام نہیں کیا جاتا ہے اور مقررین کو پورا اختیار ہوتا ہے، چاہے جس عنوان کو بھی اپنا موضوع گفتگو بنالے۔ اس میں ایک خرابی یہ ہوتی ہے کہ بعض دفعہ دو مقررین کا نظر انتخاب ایک ہی موضوع پر جا ٹکتا ہے اور نتیجتاً سامعین اکتاہٹ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ موضوع خواہ انتظامیہ کی طرف سے دیا جائے یا خود مقرر کو اختیار حاصل ہو دونوں صورتوں میں اس خطے کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، جہاں جلسہ منعقد کیا گیا ہے، کیوں کہ جلسے معاشرے کو برائیوں کے دلدل سے نجات دلانے کے لیے کرائے جاتے ہیں تو یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اس معاشرہ میں کون کون سی برائیاں ہیں، اسی کے مطابق موضوع کا انتخاب کیا جائے، اگر وہاں شرک عام ہو تو اس کی مذمت پر بولا جائے، اگر بدعت عروج پر ہو تو اس کی تباہ کاریوں کو واشگاف کیا جائے، علاقے میں آپسی نا اتفاقی ہو تو اتحاد و اتفاق پر زور دیا جائے، عملی کوتاہیاں پائی جائیں تو بداعمالی کے نقصانات اور حسن اعمال کے فوائد سے روشناس کرایا جائے، وہاں کی شادی بیاہ کی رسم خلاف شرع ہو تو شرعی نکاح کی حیثیت بیان کی جائے۔ اسی طرح جائزہ لے کر دوسرے عناوین کا انتخاب بھی فائدہ مند ثابت ہوگا، ان شاء اللہ۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ دینی اجتماعات اور روحانی جلسوں کے فوائد سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے ذریعہ سے اسلام کی اشاعت ہوتی ہے اور دینی تبلیغ بھی ہوتی ہے، لیکن ان اجتماعات میں اعتدال برتنے اور ان کو صحیح سمت کی طرف موڑنے کی ضرورت ہے، اس کے لیے ایسی سوچ و فکر ہمیشہ کارفرما ہونی چاہیے کہ کم وقت اور تھوڑے پیسے سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جا سکے تاکہ امت کے دو بڑے سرمایے پیسے اور وقت کو بچایا جا سکے۔

اللہ تعالی مثبت سوچ کے ساتھ امت محمدیہ کو آگے بڑھنے کی توفیق دے اور ان کے دلوں میں دینی حمیت کوٹ کوٹ کر بھر دے، آمین۔

☆☆☆

یادرفتگان

مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی

۱۸؍جون ۲۰۱۶ء تقریباً چھ بجے شام کو رفیق محترم شیخ احمد مجتبیٰ مدنی حفظہ اللہ نے وہاٹس ایپ پر یہ اندوہ ناک خبر دی کہ ڈاکٹر عبدالعلیم عبدالعظیم بستوی انتقال کر گئے، إنا لله وإنا اليه راجعون، اللهم اغفر له وارحمه واسكنه فسيحات جناته.

یہ جان کاہ خبر دل ودماغ پر بجلی بن کر گری، ایک دیا اور بجھا اور بڑھی تاریکی، ڈاکٹر صاحب میرے محسن اساتذہ میں سے تھے، جامعہ سلفیہ میں انہوں نے ہماری جماعت کو عالم اول میں مختارات اور عربی انشاء پڑھایا تھا، طریقۂ تدریس انتہائی دلنشیں تھا، عربی واردو ترجمہ نگاری کی مشق کے لئے مقرر نصابی کتاب کے بجائے رسائل وجرائد سے مدد لیتے تھے، تعطیلات میں چھوٹے چھوٹے اور آسان موضوعات پر عربی زبان میں مضامین لکھواتے، اگر کوئی طالب علم ہوم ورک کر کے نہ لاتا تو سخت ناراض ہوتے۔ عربی زبان وادب میں شد بد آپ کی خصوصی توجہ اور ترغیب کا ثمرہ ہے، ہم تمام رفقائے درس کی بدقسمتی تھی کہ صرف ایک سال ہی آپ سے استفادہ کر سکے، یہ ۱۹۶۸ء کی بات ہے، آپ اعلیٰ تعلیم کے لئے مدینہ یونیورسٹی چلے گئے، یہ یاد نہیں کہ آپ نے تدریسی سال مکمل کیا تھا کہ نہیں، آپ کی ذہانت وفطانت ضرب المثل تھی، ندوہ اور سلفیہ کے ممتاز طالب علم رہے۔

ڈاکٹر صاحب کا گھرانہ علمی تھا، والد محترم مولانا عبدالعظیم صاحب عالم باعمل تھے، بڑے بھائی مولانا نور عظیم رحمہ اللہ نے مدرسہ احمدیہ سلفیہ دربھنگہ سے تدریس کے عمل کا آغاز کیا۔ پھر ندوہ العلماء لکھنؤ میں بحیثیت مدرس منتقل ہو گئے اور وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ آپ ضلع بستی کے ایک گاؤں اکرہرا میں ۱۹۴۹ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی، ۱۹۵۴ء میں علاقہ کے ایک دینی مدرسہ میں داخل ہوئے اور ثانویہ کی تعلیم مکمل کی، ۱۹۶۱ء میں ندوہ میں داخلہ لیا اور عالمیت کی ڈگری حاصل کی، ۱۹۶۶ء میں جامعہ سلفیہ میں تعلیم کا آغاز ہوا تو یہاں تشریف لائے اور فضیلت میں داخلہ لیا، فضیلت کا کورس مکمل کرنے کے بعد آپ اور مولانا عبدالقدوس صاحب نے جامعہ سلفیہ میں ایک سال تک تدریسی خدمت انجام دی، بعد ازاں ۱۹۶۹ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخلہ ہو گیا۔ ۱۹۷۳ء میں یہاں سے لیسانس مکمل کیا اور ماجستیر کے لئے کلیۃ الشریعۃ والدراسات الاسلامیۃ (موجودہ جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ) میں داخلہ لے لیا۔ ۱۹۷۸ء میں ماجستیر کی تکمیل کے بعد بین الاقوامی ادارہ رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ سے منسلک ہو گئے اور تصنیف وتالیف، تحقیق وترجمہ میں مشغول ہو گئے، تحقیق کے موضوعات حدیث اور علوم حدیث تھے، علامہ عبدالسلام مبارکپوری کی نابغۂ روزگار کتاب سیرۃ البخاری کا عربی میں ترجمہ کر کے عالم اسلام کو ایک ہندوستانی عالم کے اس زبردست کارنامے سے متعارف کرایا، مولانا مسعود عالم ندوی کی مشہور تصنیف ''محمد بن عبدالوہاب ایک مظلوم اور بدنام مصلح'' کا عربی میں نہ صرف ترجمہ کیا بلکہ علمی اور تاریخی حواشی کے ذریعہ اس کے درجہ استناد اور مقبولیت میں اضافہ کر دیا، موخر الذکر کتاب کے متعدد ایڈیشن جامعۃ الامام محمد بن سعود اور دیگر بڑے طباعتی اداروں سے شائع ہو چکے ہیں۔ ایک درجن سے زائد ضخیم اور مختصر کتابوں کی تحقیق کی، ان میں سے بیشتر شائع ہو کر علمی حلقوں میں پذیرائی حاصل کر چکی ہیں۔

دوران ملازمت آپ نے جامعہ ازہر مصر سے ڈاکٹر آف فلاسفی کی ڈگری لی، مسلسل چونتیس سال تک آپ رابطۂ عالم اسلامی سے وابستہ رہنے کے بعد ۱۴۳۳ھ کے اوائل میں ریٹائر ہوئے۔اس دوران اسلامی کانفرنسوں اور سمیناروں میں شرکت کرنے کے لئے متعدد ممالک کا سفر کیا۔اردو اور عربی رسائل وجرائد میں آپ نے بہت سے مضامین اور تحقیقی مقالے لکھے، عربی، اردو اور انگریزی تحریر پر یکساں قدرت رکھتے تھے، مسلسل سعودیہ میں رہنے کی وجہ سے نئی نسل کے طلباء اور علماء ان کے بارے میں اگرچہ نہیں جانتے ہیں، مگر علمی اور تحقیقی حلقوں میں وہ متعارف اور کافی مقبول تھے، جامعہ سے انہیں دلی لگاؤ تھا۔ غالباً موسم ثقافی کے پروگرام میں آپ رابطہ عالم اسلامی کے نمائندہ کی حیثیت سے جامعہ تشریف لائے تھے، ندوۃ الطلبہ کے وہ پہلے ناظم تھے، اور صدر شیخ نور اللہ براری رحمہ اللہ تھے (شیخ نور اللہ براری کا دوران تعلیم مکہ کے ایک حادثہ میں انتقال ہو چکا ہے) ندوۃ الطلبہ کا پہلا سالانہ میگزین ''المنار'' آپ ہی کے دور میں شائع ہوا تھا، مولانا نور العین حفظہ اللہ اس کے پہلے مدیر تھے، افسوس علوم حدیث کا یہ عظیم خادم اس دنیا سے رخصت ہو گیا، اللہ ان کے درجات کو بلند کرے، آمین۔☆☆

بزرگ عالم مولانا انعام اللہ فاروقی بھی چل بسے

بتاریخ ۱۹؍جون ۲۰۱۶ء گیارہ بجے شب جماعت اہل حدیث کے نامور مقرر مولانا انعام اللہ فاروقی دار فانی سے دار البقا سدھار گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

میرے خاندان کے بزرگوں میں وہی باقی رہ گئے تھے، کافی دنوں سے صاحب فراش تھے، بہترین مقرر اور جماعت کے سرگرم رکن تھے۔ جمعیت اہل حدیث مہاراشٹر کے رکن رکین اور دار العلوم سلفیہ، ناگپور کے موسس اور بانی تھے، اکیلے دم پر پورا مدرسہ چلاتے تھے۔

آپ ۱۹۳۶ء میں پرتاپ گڑھ کی مشہور اہل حدیث بستی پریوا نرائن پور میں پیدا ہوئے، ۱۹۴۶ء یا ۱۹۴۷ء میں والد محترم مولانا ابو الخیر صاحب فاروقی (م ۱۹۸۰ء) نے جامعہ رحمانیہ مدن پورہ، بنارس میں داخل کرایا۔ ازابتدا تا انتہا تعلیم مدرسہ مذکور میں حاصل کی، جب بھی آپ وطن آتے بشرط صحت بنارس ضرور تشریف لاتے۔ مولانا عبد السلام صاحب گونڈوی (فیجی والے) آپ کے ہم سبق تھے، رحمانیہ میں ممتاز اور ذہین طالب علموں میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ عربی وفارسی بورڈ سے مولوی، عالم اور فاضل کا امتحان فرسٹ ڈویزن میں پاس کیا، آپ کے اساتذہ میں مولانا نذیر احمد صاحب املوی، مولانا عبد الوحید صاحب رحمانی، مولانا فضل الرحمٰن صاحب مئوی اور مولانا عبد العزیز صاحب مئوی کا نام اہم ہے۔ فراغت کے بعد دار العلوم تلسی باغ، ناگپور میں درس وتدریس کا فریضہ انجام دینے لگے اور ناگپور کو وطن ثانی بنالیا، مدتوں آپ نے بخاری ومسلم کا درس دیا، بعد میں آپ نے احباب کالونی، ناگپور میں دار العلوم سلفیہ کے نام سے اپنا مدرسہ قائم کرلیا۔

نہایت خوش اخلاق اور شعلہ بار مقرر تھے، جلسوں میں کثرت سے آپ کو بلایا جاتا، غیرت منداور پر جوش داعی تھے، اپنے خاندان سے ہمیشہ رابطہ رکھتے اور ان کی ضروریات پوری کرنے میں خوشی محسوس کرتے تھے، ۸۲ سال کی عمر پائی، پس ماندگان میں اہلیہ، دو بیٹے اور بیٹیاں ہیں، اللھم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه واسكنه فسيحات جناته۔ ☆

عالم اسلام

ظل الرحمٰن سلفی رسنٹرل لائبریری

نوبل امن انعام مروان برغوتی کے نام:

بیلجیم کے سیکڑوں قانون سازوں نے اسرائیل کی جیل میں عمر قید کی سزا کاٹ رہے فلسطین کے مقبول رہنما ''مروان برغوتی'' کو نوبل امن انعام سے نوازے جانے کے لیے نامزد کیا ہے۔ قابل ذکر ہے کہ مروان برغوتی فی الوقت اسرائیل کے قید خانے میں ہے اور انہیں مختلف الزامات کے تحت چالیس (۴۰) سال قید کی سزا سنائی گئی ہے۔ درحقیقت انسانی حقوق کے کارکنان پہلے ہی سے مروان برغوتی کو نوبل انعام سے سرفراز کیے جانے کی مہم چلا رہے تھے۔ اور اب انہیں بیلجیم حکومت کے قانون سازوں کی حمایت حاصل ہوگئی ہے، جس کی بنا پر سیاست سے اوپر اٹھ کر ان کو نوبل انعام دیئے جانے کے لیے نامزد کیا ہے۔

واضح رہے کہ مقید فلسطینی رہنما مروان برغوتی فتح پارٹی کی قیادت کے لیے سب سے مقبول رہنما کے طور پر ابھرے تھے۔ دراصل یاسر عرفات کی وفات کے بعد مروان برغوتی نے محمود عباس کی حمایت کی تھی، تاہم پھر اپنے حامیوں اور مداحوں کے اصرار پر خود اپنی امیدواری کا اعلان کر دیا تھا۔ (ساحل آن لائن)

سعودی ایئر لائنس میں نماز کا اہتمام:

سعودی عرب کے بارے میں جیسا کہ ہم سبھی لوگ جانتے ہیں کہ وہاں کے لوگ اپنی نمازیں قضا ہونے نہیں دیتے، اذان سنتے ہی اپنے روزگار و کاروبار چھوڑ کر مسجد کا رخ کرتے ہیں، لیکن جب وہی لوگ سفر کرتے ہیں تو نماز قضا ہونے کا انہیں کافی افسوس ہوتا ہے۔ لہذا ان مشکلات کو حل کرنے کے لیے سعودی ایئر لائنس نے اندرون جہاز ہی نماز کی ادائیگی کے لیے ایک عمدہ ہال کا اہتمام وانتظام فرمایا ہے۔ اور یہ سہولیات سعودی ایئر لائنس کے سبھی جہازوں میں فراہم ہوں گی۔

علاوہ ازیں مزید کچھ نئے قوانین بھی وضع کیے گئے ہیں، جس میں خواتین مسافروں کو اس شخص کے برابر والی سیٹ دی جائے گی، جس کے ہمراہ وہ سفر کر رہی ہے، جہاز میں شراب وغیرہ بھی ممنوع ہے، نماز کی جگہ مختص ہونے کے ساتھ وہاں آلہ نصب ہوگا جس سے قبلہ رخ کی نشان دہی ہوگی۔ (عکاظ آن لائن)

امریکی مسلمانوں کی حب الوطنی قابل تعریف: اوبامہ

واشنگٹن: امریکی صدر براک اوبامہ نے امریکی مسلمانوں کی حب الوطنی اور ہیرو کے طور پر تعریف کرتے ہوئے مزید یہ بھی کہا کہ ان کے خلاف تشدد اور امتیازی سلوک قابل مذمت ہے۔

مسٹر اوبامہ نے یہ بیان مسلمانوں کے لیے عید الفطر کی مناسبت سے وہائٹ ہاؤس میں منعقدہ عشائیہ کے موقع پر دیا۔ انھوں نے بہت واضح الفاظ میں کہا کہ ''مسلمان امریکی اسی طرح محبّ وطن اور مربوط ہیں جس طرح کسی بھی امریکی خاندان کے رکن ہیں۔ انھوں نے مسلمان ڈاکٹروں، کاروباری افراد، فن کاروں، کھلاڑیوں، پولیس افسروں، فائر فائٹرز اور فوجیوں کے کردار کو سراہا۔ واضح ہو کہ یہ بیان ایسے موقع پر آیا ہے جب ریپبلکن پارٹی کے صدارتی امیدوار ڈونالڈ ٹرمپ کے مسلمان مخالف بیانات آرہے ہیں۔

(روزنامہ عوامی سالار ۲۵/۷/۱۶)

اخبار جامعہ

جامعہ سلفیہ میں داخلہ برائے تعلیمی سال ۱۷-۲۰۱۶ء:

جامعہ سلفیہ کا تعلیمی سال ۱۷-۲۰۱۶ء کا آغاز ۱۰؍شوال ۱۴۳۷ھ مطابق ۱۶؍جولائی ۲۰۱۶ء بروز سنیچر ہوا۔ ۱۷؍جولائی ۲۰۱۶ء بروز اتوار متوسطہ اولی، عالمیت سال اول اور کلیات میں داخلہ کے لیے امیدوار طلبہ کا تحریری امتحان ہوا نیز شعبۂ حفظ وشعبۂ تجوید میں داخلہ کے امیدوار طلبہ کا شفوی امتحان لیا گیا۔ بروز سوموار ۱۸؍جولائی ۲۰۱۶ء کو متوسطہ اولی، عالمیت سال اول اور کلیات میں داخلہ کے امیدوار طلبہ کا تقریری امتحان لیا گیا۔

متوسطہ اولی کے داخلہ امتحان میں یوپی، بہار، جھارکھنڈ، بنگال، مدھیہ پردیش، آندھرا پردیش، پنجاب اور گجرات کے طلبہ شریک ہوئے اور اس میں ۴۴؍طلبہ کا داخلہ لیا گیا۔

عالمیت سال اول میں داخلہ کے لیے یوپی، بہار بنگال، جھارکھنڈ، کرناٹک، مہاراشٹر، ہماچل پردیش اور گجرات کے طلبہ شریک امتحان ہوئے۔ اس کلاس میں ۱۸؍طلبہ کا داخلہ منظور ہوا۔ ان کے علاوہ جامعہ کے ملحق مدارس سے اس کلاس میں ۱۴۱ طلبہ کا داخلہ ہوا۔

کلیات کے سال اول کے لیے یوپی، بہار، جھارکھنڈ، بنگال، گجرات کے طلبہ داخلہ امتحان میں شریک ہوئے، جن میں ۵؍طلبہ کا داخلہ ہوا۔

تجوید سال اول میں داخلہ کے لیے یوپی، بہار، جھارکھنڈ اور بنگال کے ۵؍طلبہ نے امتحان دیا اور ان سب کا داخلہ منظور کیا گیا۔

شعبۂ حفظ میں داخلہ کے لیے یوپی، بہار، جھارکھنڈ، بنگال، گجرات اور تلنگانہ کے بچے شریک امتحان ہوئے جن میں ۵۵ طلبہ کا داخلہ ہوا۔

داخلہ کے بعد تمام نئے طلبہ کی کاؤنسلنگ کی گئی اور داخلہ کمیٹی کے ارکان نے ان کے کاغذات، مارک شیٹ، ٹی سی، برتھ سرٹیفیکٹ اور آئی ڈی پروف کو چک کیا۔

رواں تعلیمی سال جامعہ میں طلبہ کی کل تعداد حسب ذیل ہے:

متوسطہ:۱۱۹	ثانویہ:۶۲	عالمیت:۳۲۵
کلیۃ الحدیث:۳۰	کلیۃ الشریعۃ:۳۰	کلیۃ الدعوۃ وأصول الدین:۳۰
فضیلت سال دوم وسوم:۱۴۴	شعبۂ حفظ:۱۱۸	تجوید:۱۱

۱- ۱۰؍شوال ۱۴۳۷ھ مطابق ۱۶؍جولائی ۲۰۱۶ء بروز سنیچر بعد نماز مغرب دفتر نظامت جامعہ سلفیہ میں محترم ناظم اعلی جامعہ سلفیہ نے تعلیمی کمیٹی، داخلہ کمیٹی نیز سینئر اساتذہ کے ساتھ میٹنگ کی جس میں کلیۃ الحدیث الشریف، کلیۃ الشریعۃ اور کلیۃ الدعوۃ

وأصول الدین کے افتتاح اور نصاب نیز ان کلیات کے لیے طلبہ کے طریقۂ انتخاب کے سلسلہ میں مشورہ ہوا۔

۲- ۱۱رشوال ۱۴۳۷ھ مطابق ۱۷رجولائی ۲۰۱۶ء دن میں گیارہ بجے محترم ناظم اعلی جامعہ سلفیہ نے اپنے دفتر میں جامعہ کے ذمہ داران کے ساتھ ایک میٹنگ کی جس میں نئے تعلیمی سال کا نظام اور معیار تعلیم کو بہتر بنانے پر مشورہ ہوا، نیز جامعہ میں بعض نئے شعبہ جات کو کھولنے، نئے شیخ الجامعہ کا انتخاب اور کلیات کے لیے عمید کے انتخاب پر آپس میں رائے مشورہ ہوا۔

جامعہ سلفیہ میں نئے تعلیمی سال کا آغاز:

جامعہ سلفیہ کا نیا تعلیمی سال ۱۰رشوال ۱۴۳۷ھ مطابق ۱۶رجولائی ۲۰۱۶ء بروز سنیچر شروع ہوا، داخلہ کی کارروائی کرنے اور کلاسوں کی تقسیم کے بعد ۲۵رجولائی بروز سوموار اساتذہ درس گاہوں میں تشریف لے گئے اور تعلیم کا باقاعدہ آغاز ہوگیا۔

جامعہ سلفیہ میں تین کلیات کا آغاز:

تعلیم کے نظام کو بہتر بنانے کے لئے جامعہ سلفیہ میں کلیۃ الحدیث الشریف، کلیۃ الشریعۃ اور کلیۃ الدعوۃ واصول الدین کھول دیا گیا اور عالمیت سال دوم سے فارغ ہونے والے طلباء کا عندیہ معلوم کرنے کے بعد ان کو ان تینوں کلیات میں تقسیم کردیا گیا۔

کلیۃ الحدیث الشریف میں حدیث، مصطلح، جرح وتعدیل، تخریج، رواۃ، فقہ السنۃ اور تدوین السنۃ وغیرہ کی تدریس ہوگی۔

کلیۃ الشریعۃ میں فقہ، اصول فقہ، سیاسہ شرعیہ اور قضاء وافتاء کے اصول وضوابط پڑھائے جائیں گے۔

جبکہ کلیۃ الدعوۃ واصول الدین میں عقیدہ، دعوت، طرق تدریس اور اصول تربیت وغیرہ کی تعلیم ہوگی۔

جامعہ سلفیہ کا یہ اقدام طلباء کے حق میں مفید ثابت ہوگا، ان شاء اللہ۔ اللہ تعالی جامعہ کو ترقی اور استحکام بخشے، آمین۔

جامعہ سلفیہ کے نئے شیخ الجامعہ اور تینوں کلیات کے عمداء کی نامزدگی:

مورخہ ۲۳رجولائی ۲۰۱۶ء بروز سنیچر جامعہ سلفیہ کے دارالضیافۃ میں ناظم اعلیٰ جامعہ سلفیہ مولانا عبداللہ سعود صاحب سلفی نے اساتذہ جامعہ کی ایک میٹنگ طلب کی جس میں آپ نے جامعہ سلفیہ کے نئے شیخ الجامعہ کے طور پر مولانا محمد یونس مدنی صاحب کے نام کا اعلان فرمایا۔ واضح رہے کہ مولانا نعیم الدین صاحب رمضان سے قبل ہی شیخ الجامعہ کے منصب سے مستعفی ہوگئے تھے۔ نیز مولانا عبیداللہ مکی صاحب کو عمید کلیۃ الحدیث الشریف، مولانا محمد عبدالقیوم مدنی صاحب کو عمید کلیۃ الشریعۃ اور ڈاکٹر محمد ابراہیم مدنی صاحب کو عمید کلیۃ الدعوۃ وأصول الدین نامزد کیا۔

اسی میٹنگ میں مولانا محمد مستقیم سلفی صاحب کو ناظر دارالاقامہ جامعہ سلفیہ اور مولانا دل محمد سلفی صاحب کو شعبہ رابطہ عامہ کا ذمہ دار نیز مولانا محمد موسیٰ سلفی وقاری ابوطاہر وماسٹر سرفراز احمد صاحبان کو نگراں مطبخ جامعہ سلفیہ وحافظ عبدالحکیم صاحب فیضی وحافظ عبدالشکور سلفی صاحبان کو نگراں مطبخ مدرسہ زید بن ثابت بنایا گیا ہے۔

میٹنگ میں تعلیم وتربیت سے متعلق بھی بعض امور زیر بحث آئے۔ ☆☆

باب الفتاوی

سوال: عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ ہندو پاک کے بیشتر حجاج کرام حج یا عمرہ کے لیے مکہ جاتے ہیں تو اپنے رشتہ داروں کے نام مسجد تنعیم سے بکثرت عمرہ کرتے ہیں، کیا ایسا کرنا صحیح ہے اور کیا مسجد تنعیم سے عمرہ ادا کرنا درست ہے؟ برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب دیں۔

الجواب بعون الله الحميد ومنه التوفيق والتسديد:

جو شخص حج اور عمرہ کی نیت سے مکہ مکرمہ کا قصد کرے اس کے لیے میقات سے گزرتے وقت میقات سے احرام باندھنا ضروری ہے۔ بغیر احرام کے میقات سے گزرنا جائز نہیں ہے۔

میقات کی تعیین میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: يهل أهل المدينة من ذى الحليفة، وأهل الشام من الجحفة، وأهل نجد من قرن، ويهل أهل اليمن من يلملم (بخاری: ۱۵۲۵، مسلم: ۱۱۸۲) مدینہ والے ذوالحلیفہ سے، شام والے جحفہ سے، نجد والے قرن (منازل) سے اور یمن والے یلملم سے احرام باندھیں گے۔

واضح ہو کہ یلملم مکہ مکرمہ سے ۹۲ کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے آج کل اس کا نام "سعدیہ" ہے۔ ہندو پاک اور چین کے حجاج کرام سمندری یا فضائی راستے سے حج وعمرہ کے لیے جاتے ہیں تو اسی میقات یلملم کی محاذات (سیدھ) معلوم کر کے جہاز ہی میں احرام باندھ لیتے ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے:

وقت رسول الله صلى الله عليه وسلم لأهل المدينة ذا الحليفة، لأهل الشام الجحفة، ولأهل نجد قرن المنازل، ولأهل اليمن من يلملم، فهن لهن ولمن أتى عليهن من غير أهلهن لمن كان يريد الحج والعمرة ، فمن كان دونهن فمهله من أهله وكذلك حتى أهل مكة يهلون منها (بخاری: ۱۵۲۶، ۱۵۲۹، مسلم: ۱۱۸۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ والوں کے لیے ذوالحلیفہ، شام والوں کے لیے جحفہ، نجد والوں کے لیے قرن منازل اور یمن والوں کے لیے یلملم کو میقات مقرر کیا ہے۔ یہ ان لوگوں کی میقات ہے اور ان کے علاوہ لوگوں کی بھی جو ان جگہوں سے گزر کر آئیں اور حج وعمرہ کا ارادہ رکھتے ہوں۔ وہ لوگ جو میقات کے اندر ہیں تو ان کے احرام باندھنے کی جگہ وہی ہے (یعنی اپنے گھر سے نکلتے ہی احرام باندھ لیں) یہاں تک کہ مکہ والے مکہ سے احرام باندھیں گے۔

ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

ومن كان دون ذلك فمن حيث أنشأ، حتى أهل مكة من مكة (بخاری: ۱۵۲۴، ۱۵۳۰) اور جو لوگ میقات کے اندر ہیں تو وہ احرام اس جگہ سے باندھیں جہاں سے سفر شروع ہوا ہے یہاں تک کہ مکہ والے مکہ سے احرام باندھیں۔

ان احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج وعمرہ کے ارادے سے مکہ جانے والوں کے لیے چاروں سمتوں میں میقات مقرر کیا ہے جہاں سے حج وعمرہ کے ارادے سے مکہ آنے والے کا بغیر احرام کے گذرنا جائز نہیں ہے۔ ان مذکورہ میقات کے علاوہ عراق، خراسان اور اس طرف سے آنے والوں کی میقات ذات عرق ہے۔ یہ مکہ مکرمہ سے ۹۴ کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔ آج کل اسے "الضریبہ" کہا جاتا ہے۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقرر کردہ میقات ہے جیسا کہ مسلم (۱۱۸۳) کی روایت میں ہے۔ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے بسند صحیح مروی ہے: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم وقت لأهل المدينة ذا الحليفة، ولأهل الشام الجحفة، ولأهل العراق ذات عرق (ابوداود: ۱۷۳۹، نسائی: ۲۶۵۴، اسے ابونعیم اصبہانی نے حلیۃ الاولیاء (۹۴/۴) اور علامہ البانی نے صحیح ابوداود () میں صحیح اور ابن

حجر نے فتح الباری (۳/۴۵۶) میں قوی کہا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ والوں کے لیے ذوالحلیفہ، شام والوں کے لیے جحفہ اور عراق والوں کے لیے ذات عرق میقات مقرر کیا ہے۔

مگر بعض صحیح روایات میں اس تعیین کو خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کو مندرجہ بالا روایت نہ ملی ہو اور انہوں نے اپنے اجتہاد اور رائے سے ذات عرق کو میقات مقرر کیا ہو، کیوں کہ عراق کے دونوں مشہور شہر کوفہ اور بصرہ انہی کے دور میں فتح ہوئے، جیسا کہ بخاری (۱۵۳۱) میں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ کا اجتہاد فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق ہو گیا جس طرح ان کے دوسرے اجتہادات قرآن مجید کے موافق ہو گئے۔ دیکھیں: فتح الباری (۳/۴۵۵-۴۵۷) مغنی ابن قدامہ (۵/۵۸)

ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یمن والوں کی میقات یلملم ہے اور یہی ہند و پاک اور اس راہ سے گذرنے والوں کی میقات ہے، اس لیے جب وہ یلملم کے محاذات میں ہوں تو وہ احرام باندھ لیں اور حج وعمرہ کی نیت کر لیں۔ مسجد تنعیم یا مسجد عائشہ (جو مکہ سے چھ کلومیٹر کی دوری پر ہے) ان کی میقات نہیں ہے اور نہ یہاں سے احرام باندھ کر ان کا عمرہ درست ہوگا۔ سلف صالحین سے مروجہ دور کے عمروں کا کائی ثبوت نہیں ملتا۔ اس لیے حج کے سفر میں یا حج سے فارغ ہونے کے بعد مسنون عمرہ ادا کرنا چاہیں تو ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی میقات یلملم یا اس کے محاذات میں آ کر عمرہ کا احرام باندھیں۔

شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ رحمانی مبارک پوری -رحمہ اللہ- اپنے فتاوی (۲/۱۷۹) میں لکھتے ہیں:

''حج سے فارغ ہونے کے بعد تنعیم یا جعرانہ جا کر عمرہ کا احرام باندھنا اور عمرہ کرنا یعنی بار بار چھوٹا یا بڑا عمرہ کرنے کو مشروع یا مسنون سمجھ کر عمل میں لانا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حکما ثابت نہیں ہے، نہ عملا نہ تقریراً، اور نہ صحابہ کرام وتابعین عظام ہی سے منقول ہے''۔

جزیرۃ العرب اور حجاز کے مستند علماء کی تحقیق بھی یہی ہے کہ تنعیم والے عمروں کا کوئی شرعی ثبوت نہیں ہے' جیسا کہ سماحۃ الشیخ علامہ ابن باز رحمہ اللہ کی کتاب ''التحقیق والایضاح لکثیر من مسائل الحج والعمرۃ'' (ص: ۱۸-۱۹) وغیرہ سے ظاہر ہے۔

دراصل مسجد تنعیم سے عمرہ ادا کرنے کو مسنون سمجھنے کی بنیاد وہ روایت ہے جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج قران کے بعد ایک مستقل عمرہ ادا کرنے کی خواہش کا اظہار فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے بھائی عبدالرحمٰن کو حکم دیا: أن يردف عائشة ويعمرها من التنعيم. صحیح بخاری (۱۷۸۴) وہ آپ کے ساتھ تنعیم جائیں اور وہاں سے عمرے کا احرام باندھ کر آئیں اور عمرہ ادا کریں۔ چنانچہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایسا ہی کیا۔

اس حدیث پر امام بخاری رحمہ اللہ نے باب عمرة التنعيم کی تبویب قائم کی ہے اور اس کے بعد ایک مفصل روایت لا کر حدیث مذکور کے اطلاق کو مقید کیا ہے کہ ''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا تنعیم سے عمرہ کرنا ایک استثنائی صورت ہے جسے عام سمجھ لینا صحیح نہیں ہے'' فتاوی علمیہ از حافظ زبیر علی زئی (۲/۱۷۰)

تنعیم سے عمرہ صرف اس عورت کے لیے جائز ہے جس کی پوزیشن عائشہ رضی اللہ عنہا جیسی ہو۔ ہوا یہ کہ وہ جب مکہ آئیں تو انہیں حیض آ گیا۔ حیض کی وجہ سے انہوں نے بیت اللہ کا طواف نہ کیا اور نہ صفا ومروہ کی سعی کی (بخاری: ۱۷۶۲، ۱۷۸۵) اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بدلے انہیں تنعیم سے عمرہ کرنے کا حکم دیا۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: مسلم (۱۲۱۱) مرعاۃ المفاتیح (۷/۲۴۸، ۸/۴۲۳)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہند و پاک کے حجاج کرام کا مسجد تنعیم سے عمرہ کرنا صحیح نہیں ہے۔

دار الإفتاء
جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس